ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان



تاریخ کی زبان

تاریخ کی زبان کوئی بند نہیں کر سکتا۔ وہ جو سبق دیتی ہے وہ صرف ایک قسم کا ہے۔ دنیا میں بہت سی حقیقتیں ایسی ہیں جنہیں انسان جانتا ہے اور ماننے کے لیے مجبور ہوتا ہے تاہم ان کی صداؤں کو سننا پسند نہیں کرتا چاہتا ہے کہ لوگوں کی زبان سے ان کو نہ سنے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ ان سب حقیقتوں کی آواز سننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور زبان سے اٹھی ہوئی صدائیں نہیں بلکہ واقعات کے ہجوم سے پیدا شدہ حقائق اس کے کانوں کو کھول کر بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج کی طرح سب کچھ بتا دیتی ہے۔ (امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد)

۶ رجب ۹۷ھ

۲۴ جون ۷۷ء

احادیثِ رسول

زبان پر قابو

ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ قَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ قَالَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ

ترجمہ: پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے ان تمام اعمال کے شیرازہ سے باخبر نہ کر دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اس کو قبضہ میں رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم سے ان باتوں کے متعلق بھی مواخذہ ہوگا جو ہم زبان سے نکالتے ہیں؟ آپ نے بے تکلف انداز میں فرمایا) معاذ! تیری ماں تجھے روئے کیا عام آدمیوں کو ان کی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کے سوا کوئی اور چیز بھی ان کو منہ کے بل یا ناک کے بل دوزخ میں ڈالے گی؟

حدیث کے اس حصہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری حدیث کا مغز بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ زبان کو اپنے قبضہ و اختیار میں رکھنا چاہیے کیونکہ منہ سے جو بات بھی نکلتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کی باز پرس ہوگی۔ اچھی باتوں کی جزا دے گا اور برے کلمات پر سزا دے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دوزخ میں جانے والے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو صرف اپنی زبان کی بدگوئی اور بدکلامی کے وبال کی وجہ سے سزا پائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں زبان و کلام ہی ہمارے استعمال میں اکثر آتے ہیں۔ اپنے کام کاج میں، مشاغل میں، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ برتاؤ میں۔ غرض ہر گفتار و کردار میں ہم اپنی زبان ہی سے کام لیتے ہیں۔ اس کی اتنی بڑی اہمیت کے پیش نظر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ زبان سے ہر لفظ بہ غور و اندیشی اور نہایت سوچ سمجھ کے بعد کام لے۔ اگر وہ اسے بے احتیاطی سے استعمال کرے گا تو ہر جگہ ٹھوکر کھائے گا۔ ذلیل و خوار ہوگا اور نقصان اٹھائے گا۔ زبان کو انسان پر حاوی نہیں ہونا چاہیے بلکہ انسان کو زبان پر قابو رکھنا چاہیے۔ کس قدر حکیمانہ ارشاد ہے کہ پہلے بات کو تولو پھر منہ سے بولو۔

دروغ گوئی، بدکلامی، غیبت، چغلی اور بدعہدی وغیرہ انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتے۔ یہ لوگ انہی گناہوں کی سزا بھگتیں گے۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل کرے کہ ہم اپنی زبان کو بڑی احتیاط اور سمجھ سے

سالانہ درس قرآن مجید ادارہ القرآن کی ... واہ کینٹ میں شرکت کیلئے حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ ۹ نومبر کی صبح لاہور سے راولپنڈی بذریعہ ہوائی جہاز، راولپنڈی سے بذریعہ کار واہ کینٹ تشریف لیجائیں گے۔ درس ۹ بجے شروع ہوگا۔ مولانا شمس الحق افغانی، ارسلان، محمد زاہد الحسینی بھی شرکت فرمائیں گے
محمد عثمان غنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رح
***
رئیس الادارہ
شیخ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور

ہفت روزہ
خدام الدین

مجلس تحریر
مولانا مفتی محمود
***
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

جلد ۲۳ ● شمارہ ۳ | ۶ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ ● ۲۴ جون ۱۹۷۷ء | فی پرچہ : ایک روپیہ

الحمد للہ

سات مارچ کے انتخابی نتائج کو حکمران ٹولے نے جس طرح سبوتاژ کیا ہے۔ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے رد عمل میں ملک میں اس تحریک نے جنم لیا جس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خلق خدا کے احتجاج و اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے "حکمران" دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کرسی اقتدار سے الگ ہو جاتے۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے ظلم و زیادتی کا وہ بازار گرم کیا کہ توبہ بھلی! لیکن آفرین ہے قوم پر کہ ان کا "ذوقِ جرم" ہر سزا کے بعد بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا جب بھٹو صاحب نے قومی اتحاد کے لیڈروں کو سہالہ میں اکٹھا کر کے انہیں آمادہ کرنا چاہا کہ مذاکرات کے ذریعہ معاملات طے کیے جائیں۔ اس مرحلہ میں کئی ایک مسلم ممالک کے نمائندے بھی حرکت میں آئے اور جب روشنی کی کرن نظر آنے لگی تو کالی "ڈھٹائی" سے "ریفرنڈم" کا ہتھکنڈا کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قومی اتحاد اس پوزیشن کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجتہً اس کے رہنماؤں کو ماسوائے چند گرامی قدر مختلف جیلوں میں بھیج دیا گیا۔ کارکنوں پر مزید تشدد شروع کر دی۔ ڈی پی آر کا سیاہ قانون پہلے سے موجود تھا اسے "قانونِ جبر" کی حیثیت حاصل ہو گئی اور ظلم کے سلسلہ اتنی تیزی سے پھیلا کہ خدا کی پناہ!

شاید ارباب اقتدار (؟) کو یہ خیال آیا ہو کہ اس ظلم و زیادتی سے معاملہ دب جائے گا لیکن ایسا ناممکن تھا اور جب معاملہ دبتا نظر نہ آیا تو پھر "سہالہ" کا طواف شروع ہوا۔ سعودی عرب کے سفیر محترم جناب ریاض الخطیب جو پہلے ہی سرگرم عمل تھے، اب مزید متحرک ہو گئے۔ حتیٰ کہ سردار عبدالقیوم صاحب ۲۳ ماہ کی طویل نظربندی کے بعد [illegible] مولانا مفتی محمود کے نمائندہ کی حیثیت سے ہنگامی سفر پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے مختلف جیلوں میں نظر بند رہنمایانِ قوم سے باتیں کیں۔ پھر اپنے صدر کو رپورٹ پیش کی۔ تب جا کر مذاکرات شروع ہوئے۔

دوران مذاکرات کئی نازک مرحلے آئے۔ کئی بار یوں نظر آیا کہ معاملہ الجھ رہا ہے۔ حالات بگڑ رہے ہیں۔ مذاکرات کی بیل منڈھے نہیں چڑھے گی لیکن قوم کی دعائیں کام آئیں۔ [illegible] ایک فیصلہ کر لیا گیا اور رسائی ہونے والے معاہدہ کی تفصیلات طے کرنے کے لیے دو دو کی ذیلی کمیٹی بنا دی گئی جو چاہے تو اپنے مشیروں سے مشورہ بھی لے سکتی ہے۔ چنانچہ وہ کمیٹی اب تفصیلات طے کر رہی ہے اور امید قوی ہے کہ جب یہ سطور سامنے آئیں گی تو معاہدہ اپنی تفصیلات سمیت سامنے آچکا ہوگا۔

سردست اتنی بات تو واضح ہے کہ [illegible] "مسلم"

آیت کریمہ : ۲۳ جون بعد نماز مغرب ۔ انشاء اللہ تعالےٰ

جس کی حیثیت واضح ہے چند دنوں میں توڑ دی جائے گی اور رمضان المبارک کے بعد از سر نو انتخابات ہوں گے۔

یہی دراصل وہ بنیادی مسئلہ تھا جس [illegible] تحریک چلی اور جس کے معاملہ میں بھٹو صاحب انتہائی اڑے ہوئے تھے انہوں نے بیرونی سازش کی باتیں کیں، [illegible] کا ذکر کیا، سرحدات پر دوسرے ممالک کی فوجوں کے اجتماع کا قصہ چھیڑا اور بہت کچھ کیا لیکن قوم "جعلی اسمبلی" کے معاملہ میں نرم نہ ہوئی۔

بھٹو صاحب نے خود اور ان کے حواریوں نے معزز رہنماؤں کی کردار کشی کی اور وہ فقرات استعمال کئے جنہیں نوک قلم پر لانا مشکل ہے لیکن بالآخر انہیں اس موڑ پر آنا پڑا قوم کے نمائندوں سے باتیں کرنا پڑیں اور جب باتیں ہوئیں تو انہیں وہ سب کچھ تسلیم کرنا پڑا جو انتہائی ضروری تھا

معاہدہ پر تفصیلی تبصرہ تو آئندہ ہفتہ عرض کیا جائے گا۔ فی الحال ہم صرف ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتے ہیں ان شہداء کے حضور جنہوں نے اپنے گرم گرم لہو سے قوم کے وقار کو چار چاند لگائے اور دوامی عزت و توقیر حاصل کی کہ اللہ کا پیار حاصل کیا، یقیناً یہ لوگ ہمارا قیمتی سرمایہ تھے، انہوں نے کمال جرأت کا مظاہرہ کیا، ان کا جینا بھی خوب تھا تو مرنا خوب تر، ہمارے دل ان کے احترام سے معمور ہیں اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہم سلام عقیدت پیش کرتے ہیں ان تمام لوگوں کو جو کم یا زیادہ عرصہ جیل میں رہے اور سنت یوسفی کو زندہ کرنے کے ساتھ ساتھ آمریت کے قلعہ پر ضرب کاری لگائی۔

ہمارے شکریہ کے وہ لوگ مستحق ہیں جو زخمی ہوئے اور بعض اب بھی علاج گاہوں میں اپنے زخموں کی اصلاح کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں صحت کاملہ سے نوازے۔

ہم قابل صد احترام علماء کرام، مشائخ عظام، وکلاء، طلبہ، مزدور، کسان، تاجر، خواتین اور اقلیتی فرقے کے لوگوں کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ہر طبقہ نے اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے ملت کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ان کا خلوص، محنت، ایثار و قربانی رنگ لائے گی، دنیا انہیں احترام کی نظروں سے دیکھتی رہے گی اور قوم ان کے بہترین پھل سے متمتع ہوگی۔

معاہدہ ہو جانے کے بعد [illegible] شرمناک ہی نہیں خطرناک بھی ہوں گی۔ احتیاط از بس لازمی ہے "وزیراعظم" نے معاہدہ اسمبلی میں جو لن ترانیاں ہانکیں ان کا نوٹس لینا بہت آسان ہے اور جب نوٹس لیا جائے گا تو قوم بھی ہری ہری کہے گی لیکن ہم اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے جہاں ان سے کہیں گے جو مستقل ہیں کہ ؎

ایاز قدر خود بشناس

وہاں اپنوں سے یہ کہیں گے کہ اپنے قائدین پر اعتماد رکھیں، نظم و اتحاد قائم رکھیں۔ مستقبل کے معرکہ کے لیے کام شروع کر دیں۔ جذبات عمل سے وہ جوت جگائیں کہ یہ دنیا امن و راحت کا گہوارہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

علی [illegible]

انتہائی شرمناک

ملک کے مختلف حصوں سے برابر خبریں آ رہی ہیں کہ انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے عناصر پی پی پی کے بزرجمہروں سے ساز باز کر کے قومی اتحاد کے ورکروں کے لیے پریشانی کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ اور عام طور پر کچھ لے دے کر معاملہ "رفع دفع" کر دیا جاتا ہے اور جب باعزت "رنگ" دینے سے گریز کرنے میں [illegible] طور طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

ہمارے سامنے نئی انارکلی لاہور کے تھانے سے جنم لینے والی ظلمت و تاریکی کی داستان کا ایک حصہ ہے کہ کس طرح پیسہ اخبار کے ایک بے ننگ و نام "چیئرمین" کے چکر میں آ کر اس تھانہ کے کرتا دھرتا عوام کو پریشان کر رہے ہیں اور ہمارے سامنے وہ خطوط بھی ہیں جو جھنگ کے مختلف علاقوں سے موصول ہوتے ہیں جن میں اس قسم کے شرمناک واقعات کا ذکر ہے۔ ہم سر دست تفصیلات کو نہیں چھیڑتے بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ انتظامیہ والو ڈرو ان گھڑیوں سے جب تمہاری بدعملیوں میں سے ایک ایک کا بدلہ چکایا جائے گا۔ رہ گئے پی پی پی کے بزرجمہر تو یہ بھی محض بھٹو کے اقتدار کے کھونٹے پر ناچ رہے ہیں۔ اس کھونٹے کے ٹوٹنے کی دیر ہے یہ منہ چھپاتے پھریں گے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کھونٹا اب ٹوٹا کہ جب ٹوٹا!



دین اسلام ◎ اللہ کی نعمتِ عظمیٰ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝

صدق اللہ العلی العظیم

سورۃ مائدہ کا پہلا رکوع اور اس کی تیسری آیت ہے جس کا ایک ٹکڑا تلاوت کیا گیا۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین" (حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ)

محل نزول و اہمیت

یہ آیت کریمہ حضور نبی کریم رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئی۔ یہ انتہائی حسین سماں تھا کہ کیا کہنے؟ حضور اقدس علیہ السلام کے سامنے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی کا ثمر ہزاروں صلحاءِ امت کی صورت میں موجود تھا۔ بے پناہ مصائب جھیلنے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد آج غلبہ کی کیفیت نظر آتی ہے اور سب سے بڑھ کر خوشی کا مقام یہ تھا کہ دین حنیف پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا اور انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے اب کسی مزید نوشتے ہدایت نامہ یا آئین و قانون کی ضرورت نہ تھی۔

یہ اعلان مسرت و خوشی سن کر دشمن کے منہ میں پانی بھر آیا۔ روایت سے ثابت ہے کہ یہود نے اس قسم کے اعلان پہ "یوم عید" کی سی مسرت کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ بھی دیا کہ اگر یہ سعادت ہمیں نصیب ہوتی تو یہ دن یوم عید ہوتا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً جو کچھ فرمایا اس کو علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے گوہر بار قلم سے سنئے:

"اس آیت الیوم اکملت لکم دینکم کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ (عظیم نعمتوں) کے ایک نعمت ہے۔ اسی لیے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنینؓ! کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ھ میں "حجۃ الوداع" کے موقعہ پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جب کہ میدان عرفات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی (۸۱) روز حضور اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔"

(حواشی صفحہ ۱۳۹)

تکمیل دین ــ نعمت عظمیٰ

ہم سب کے بابا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خلافت ارضی کی ذمہ داریاں سونپ کر جب دنیا میں بھیجا گیا تو اسی وقت یہ بتلا دیا گیا کہ خالقِ کائنات جو شہنشاہ ارض و سما اور مالک الملک ہیں، تمہاری خاطر اپنی طرف سے قانونی نوشتے بھیجتے رہیں گے جن پر عمل سے کوئی خوف و غم تمہارا دامن گیر نہ ہوگا۔ بصورتِ دیگر تم منکر و بدراہ تصور کئے جاؤ گے۔

چنانچہ ایسا ہوا، قانونی کتابیں نازل ہوئیں، صحائف اترے اور انہی کی آخری کڑی یہ کتابِ مقدس ہے جس کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق یہ اعلانِ مسرت عرفہ کے دن جو جمعہ کو واقع ہوا تھا نازل ہوا اور اسی مناسبت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو عیدوں کا تذکرہ فرمایا۔

یہ مطلب نہیں کہ اس سے قبل جو آسمانی نوشتے نازل فرمائے گئے وہ ناکمل و ناقص تھے۔ بلکہ مثال سے یوں سمجھیں کہ بچے کے پیدا ہونے سے لے کر اس کے "کامل انسان" ہونے تک اس کی قدو قامت میں فرق ایک فطری امر ہے، عمر کے بڑھنے کے ساتھ اس کی قدو قامت کے مطابق لباس میں تبدیلی آجاتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ ایک ہی لیا گیا "ناپ" کافی ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق آئندہ مناسب لباس تیار ہوتا رہتا ہے بعینہٖ ابا آدمؑ کے وقت دنیا کا بچپنا تھا، چند احکامات کافی تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی ہوتی رہی حتیٰ کہ دنیا اپنے شباب کو پہنچ گئی اور وہ وقت آگیا جب اس کے جسدِ ملی کے لیے ایک ایسا روحانی لباس طیار کر دیا جائے جو ہر حال میں اس کے جسم پر فٹ اور اس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہو چنانچہ اس ضرورت کے اعتبار سے قرآن مجید "جامعیت و کاملیت کا اعزاز" لے کر نازل ہوا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور انداز سے

۱۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیانِ سماویہ میں محدود و ناتمام (ضرورتاً) تھیں ان کی تکمیل و تعمیم اس دین قیم سے کر دی گئی۔ قرآن و سنت نے "حلت و حرمت" وغیرہ کے متعلق تنصیصاً (واضح طور پر) یا تعلیلاً (علت کے طور پر) جو احکام دیئے ان کا اظہار وایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔ (ص ۱۳۸)

۲۔ واتممت علیکم نعمتی: سب سے بڑا احسان تو یہ ہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاءؐ جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا۔ مزید برآں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دسترخوان تمہارے لیے بچھا دیا۔ حفاظتِ قرآن، غلبۂ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیے" ص ۱۳۸

۳۔ ورضیت لکم الاسلام دینا: یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت (بے وقوفی) ہے۔ اسلام جو تفویض و تسلیم (سپرد کر دینا) کا مرادف (ہم معنی) ہے اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں" ص ۱۳۸

مولانا عثمانیؒ کی اس بیان کردہ حقیقت کا اصلی منبع قرآن کی ایک دوسری آیت ہے جو سورۂ آل عمران کے نویں رکوع میں ہے ترجمہ ہے:

"اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے" (شیخ الہندؒ)

یہاں حضرت شیخ الہندؒ کے حاشی بے ساختہ نوکِ قلم پہ آرہے ہیں:

"یعنی جب خدا کا دین (اسلام) اپنی مکمل

پرین قبول نہیں کیا جا سکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے ، مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گزر چکا۔ اب سب سے بڑی آخری اور عالمگیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہیے کہ یہ ہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے۔ جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں ؎

فانک شمس والملوک کواکب
اذا طلعت لم یبد منھن کواکب

(آپ شمس ہیں اور باقی سب ستارے ، جب شمس طلوع ہو جائے تو ستارہ کب ظاہر ہوتا ہے)

آخرت کے خسارہ پر فرماتے ہیں :
"یعنی ثواب و کامیابی سے قطعاً محروم ہے۔ اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ راس المال بھی کھو بیٹھا۔ حق تعالےٰ نے جس صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا۔ اپنے سوء اختیار اور غلط کاری سے اسے بھی تباہ کر ڈالا" (ص۔۔)

ہمارا فرض

بہ حیثیت مسلمان اور بندہ ہونے کے ہمارا فرض اس ابدی صداقت کو سینہ سے لگانا ، اس سے رہنمائی حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمان من حیث القوم اس نور فطرت سے محروم ہیں وہ دائیں بائیں کے لغو چکروں کا شکار ہیں۔ وہ وہاں سے روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں اس کا امکان ہی نہیں ، انسانوں کے خود ساختہ آئین و قانون اور تھیوریاں آج ہم پڑھ کر ان سے اپنے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں اور جس دین فطرت نے عرب کے بدوؤں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا مالک بنا دیا تھا اس سے گریز کرتے ہیں فیا للعجب ؟

آپ ... نعمت خداوندی کے معاملہ میں یہ شرمناک رویہ کس قدر تباہی کا باعث ہے اللہ تعالےٰ نعمتیں اس لیے عطا فرمائی ہے کہ اس کے حضور جھک کر اس کا شکر بجا لایا جائے اور اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کر کے مزید نعمتوں کے حاصل کرنے کا سامان پیدا کیا جائے۔ لیکن یہاں شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کی گرم بازاری ہے۔

بالخصوص پاکستانی

تو انتہائی مجرم ہیں کہ اس بنیاد عظیم پر وطن حاصل کر کے ایسے خدا سے باغی ہوئے کہ الامان ، تاہم مقامِ شکر ہے کہ قوم کا اجتماعی ذہن بدلا ہے۔ ہر چند کہ اس ذہنی انقلاب کو ظلم و زیادتی کے ذریعہ تبدیل کرنے کی کوششیں ہیں اور اسلامی نظام کے نام پر چند جزوی امور وہ بھی ناقص اور ادھورے انداز میں نافذ کر کے منافقت و ضلالت کے علمبردار کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ لیکن انشاء اللہ اس سعادت کبریٰ سے محرومی کی اب کوئی وجہ نہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ تمام چالبازیاں اور مکر و فریب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اور ہم کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بچوں کا صفحہ

عدیؓ بن حاتم کا قبولِ اسلام

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں قبیلہ طے کا سردار تھا۔ اپنے قبیلہ سے آمدنی کا چوتھا حصہ وصول کیا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بھی مجھے نفرت تھی۔ میں اپنے دین (عیسائیت) کو بڑا اچھا دین سمجھتا تھا۔ جب مسلمانوں کی طاقت بڑھنے لگی تو مجھے خدشہ پیدا ہوا کہ کبھی مسلمان ہم پر حملہ نہ کر دیں چنانچہ میں نے اپنے داروغہ کو کہہ دیا تھا کہ ہر وقت دو اچھے اونٹ میرے دروازے پر موجود رکھا کرو اور جب مسلمانوں کی فوج کو اس طرف آتے دیکھو تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔

چنانچہ ایک روز داروغہ آیا۔ کہا۔ صاحب! محمدی فوج آجانے پر ہے جو کچھ کرنے کا ارادہ ہو وہ کر گزریے کیونکہ مجھے دُور سے کچھ جھنڈے نظر آتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اونٹ منگائے۔ بیوی، بچے اور زر و مال کو لادا اور شام کو چل دیا۔ میری بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہائی حاصل کرنے کے بعد میرے پاس شام ہی میں پہنچی۔ اس نے اپنی رہائی کی تمام کیفیت سنائی۔ میری بہن بہت دانا اور عقیل تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس شخص (رسول اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو جلد اس کے پاس چلا جا۔ کیونکہ اگر وہ نبی ہے تب تو سابقین کی فضیلت کو کیوں ضائع کیا جائے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہے تب بھی تو اس کے پاس جانے سے تو ذلیل نہ ہو گا۔ کیوں تُو تو ہی ہے۔ (تو خود ہی اپنی قابلیتوں میں بے نظیر ہے) بہن کے مشورے پر مدینے میں آیا۔ اس وقت نبی اللہ مسجد میں تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔

فرمایا کون؟ میں نے کہا۔ عدی بن حاتم۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر چلے۔ راستہ میں ایک کھوسٹ بڑھیا ملی۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ٹھہرا لیا۔ آپ دیر تک اس کے پاس کھڑے رہے۔ اور وہ اپنی لمبی داستان سناتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ تو ہرگز نہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے۔ ایک چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ نے میرے سامنے پھینک دیا۔ فرمایا اس پہ بیٹھو۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھیں۔ فرمایا نہیں تم ہی بیٹھ جاؤ۔ میں گدے پر بیٹھ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے۔ اب پھر میرے دل نے گواہی دی کہ یہ بادشاہ ہرگز نہیں۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم تو "رکوسی" ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا تم تو اپنی قوم سے غنیمت اور پیداوار سے چہارم لیا کرتے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنا تو تیرے دین میں جائز نہیں۔ میں نے کہا۔ صحیح ہے۔ اور میں نے دل میں کہا کہ یہ ضرور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو یہ امر مانع ہے کہ سب لوگ غریب ہیں۔ بخدا ان میں اس قدر مال ہونے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی نہ رہے گا۔ عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو شاید یہ امر بھی مانع ہے کہ ہم لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں اور دشمن بہت ہیں۔ بخدا وہ وقت قریب آ رہا ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا ڈر خوف نہ ہو گا۔

عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ حکومت اور سلطنت آج کل دوسری قوموں میں ہے۔ واللہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب

(باقی ۱۱ پر)

خلیفۂ اوّل سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد عباس نجمی، مرکزی ناظم اعلیٰ تحریک طلبہ اسلام پاکستان متعلم گورنمنٹ کالج لاہور

جس طرح تمام انبیاء میں ہمارے آقا خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے۔ اسی طرح ائمہ کرام علمائے احناف اور جملہ اہل سنت و جماعت کا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق ہیں۔ پیغمبر کے بعد دوسرا رتبہ صدیق ہی کا ہے۔

شرعی اصطلاح میں صدیق سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو خدا واحد کی ذات و صفات، صداقت پیغمبر، کتاب اللہ، حشر و نشر اور جزا و سزا پر مستقل اور غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتا ہو۔ اور اس کی ذات یؤمنون بالغیب کی عملی تفسیر ہو۔ چنانچہ سیرت و کردار صدیقی اس بات کی شاہد ہے کہ صدیق اکبرؓ میں یہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی تو کفار نے سوچا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان راتوں رات اتنی طویل مسافت طے کر کے واپس آجائے۔ دنیا والوں کی مادی نظریں کن فیکون کہنے والے کی قوت کو نہیں پہچان سکتی ہیں۔ کفار دوڑے دوڑے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آئے اور ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے کہا۔ کہ تیرا نبی (نعوذ باللہ من ذالک) بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے اور کہتا ہے میں راتوں رات ہفت افلاک اور جنت و دوزخ کی سیر کر آیا ہوں۔ تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے۔

عقلی بنیاد پر اسلام کو پرکھنے کا عادی کوئی نام نہاد داعیِ تحریکِ اسلامی ہوتا تو ضرور کشمکش و پیچ میں پڑ جاتا لیکن ابوبکر بلا تامل بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں صحیح فرماتے ہیں میں ان کے مشاہدات و اطلاعات پر نادیدہ ایمان رکھتا ہوں ایمان بالغیب اور یقین محکم کی یہی انتہا ہے جو آپ کو سب پر امتیاز بخشتی ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آقائے دو عالمؐ اپنی جان سے بھی پیارے تھے۔ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت اور سچا عشق تھا۔ کسی کو محبوب بنا لینا یا لفظی طور پر کسی سے اظہارِ عقیدت کر لینا بڑا آسان ہے لیکن محبوب کی اداؤں کو اپنا کر اپنی ذات کو فنافی المحبوب کرنا بڑا مشکل ہے۔ لیکن تاریخ اسلامی بہ بانگ دہل اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ابوبکرؓ نے زبان کی بجائے ہمیشہ عمل سے محبت کا ثبوت دیا، اور دنیائے عشق میں ایک منفرد کردار چھوڑ گئے۔

انبیاء ہر قسم کے مادی سہاروں سے قطعی طور پر بے نیاز ہوتے ہیں۔ تاہم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ اتار دیا ہے لیکن ابوبکرؓ کے احسانات مجھ پر باقی رہ گئے ہیں ان کا بدلہ قیامت کے دن خالقِ کائنات دے گا۔

مقامِ صدیقی ملاحظہ ہو۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر منی و انا منہ، و ابوبکر اخی فی الدنیا والاخرۃ۔ ابوبکرؓ مجھ سے ہے اور

میں ان سے ہوں - اور ابوبکر دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں - یوں تو سبھی صحابہؓ بہ ارشادِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستاروں کی مانند ہیں لیکن ابوبکرؓ کی شان نرالی ہے - آپؓ کا جنتی ہونا یقینی امر ہے - خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری دی اور فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ جنت میں داخل ہوں گے - اس کے باوجود عجز و انکساری اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ بے خود ہو کر فرمایا کرتے کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کاش! میں گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا جاتے -

ایک دفعہ آپ کسی باغ میں سیر کر رہے تھے کہ ایک جانور کو دیکھ کر غمگین ہو گئے اور ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے فرمایا کہ تو کس قدر آرام میں ہے کہ اس دنیا میں تو کھاتا پیتا ہے، آرام کرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب و کتاب نہیں" کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا"

زہد و فقر اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ مسندِ خلافت پہ متمکن ہونے کے باوجود شغل تجارت جاری رکھا -

ایک مرتبہ آپ کی زوجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو جی چاہتا ہے - فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں - عرض کیا روز کے کھانے سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں - کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی - آپ نے اجازت فرما دی - اہلیہ نے کئی کئی روز میں تھوڑے سے پیسے جمع کئے - آپؓ نے فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بیت المال سے اتنی رقم زیادہ ملتی ہے - جمع شدہ مال بھی بیت المال میں جمع کرا دیا - اور آئندہ کے لیے وظیفہ میں کمی کرا دی -

کائنات انسانی فقر و استغنا کی ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے - نماز پڑھتے وقت خشوع و خضوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بالکل حرکت نہیں کرتے تھے - حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے -

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محبوب مدنیؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کا اقتدا کیا کرو -

حضرت ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابوبکرؓ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمرؓ سے محبت کی اس نے دین کے واضح رستے کو پا لیا - جس نے عثمانؓ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا -

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابوبکرؓ سے خوش ہوں تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو!

مسجد نبوی کے گرد جن صحابہؓ کے مکانات تھے انہوں نے مسجد میں حاضری کی آسانی کے خیال سے کھڑکیاں بنا رکھی تھیں - وفات کے قریب حضورؐ نے فرمایا سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں صرف ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہے - کیونکہ محبت و رفاقت کے اعتبار سے میں اس سے زیادہ کسی کو افضل نہیں سمجھتا -

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو ابوبکرؓ سے افضل ہو مگر یہ کہ وہ نبی ہو -

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام اگلے اور پچھلے ادھیڑ عمر اہل جنت کے سردار ہوں گے سوائے نبیوں اور رسولوں کے -

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا - امتِ محمدیہ میں سب سے زیادہ افضل ابوبکر صدیق ہیں - جو شخص مجھ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دے گا میں اس کے دُرّے لگاؤں گا -

حضورؐ سے والہانہ لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ انتقال کے روز استفسار فرمایا - حضورؐ نے کس روز رحلت فرمائی تھی - حاضرین نے کہا دوشنبہ کے روز - فرمایا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی آرزو بھی یہی ہے کہ آج رخصت ہو جاؤں - مزید فرمایا کہ اگر میری یہ خواہش پوری ہو جائے تو میری قبر حضورؐ کے مرقد کے قریب

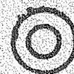
بنائی جائے۔ وفات کا وقت قریب آیا تو ام المومنین بنت ابوبکر عائشہ الحمیرا سے دریافت فرمایا۔ حضورؐ کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا تین کپڑوں کا۔ فرمایا میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ یہ چادریں جو میرے بدن پہ ہیں دھو لی جائیں اور ایک کپڑا بنا لیا جائے۔ عائشہ رضؓ دردمندی سے بولیں ابا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ آپ کے لیے نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ فرمایا۔ بیٹی! نئے کپڑوں کی مُردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا ٹھیک ہے۔

جب روحِ اقدس نے پرواز کی تو ۲۲ رجمادی الآخر ۱۳ھ کی تاریخ تھی۔ دوشنبہ کا دن تھا، عشا اور مغرب کا درمیانی وقت عمر شریف ۶۳ سال، ایام خلافت دو برس تین ماہ اور گیارہ دن۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضورؐ کی مرقدِ مبارک کے ساتھ آپ کی قبر شریف اس طرح کھودی گئی کہ آپ کا سر مبارک بادئ کون و مکاںؐ کے دوش پاک کے ساتھ رہے اور قبر کے تعویذ برابر برابر آجائیں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے میت پاک کو لحد میں اتارا۔ اور ایک ایسی برگزیدہ شخصیت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی سب سے زیادہ افضل و محبوب اور متقی شخصیت تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دارِ فانی سے رخصت ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی سیرۃ مطہرہ بحرِ بے کراں کی حیثیت رکھتی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ خدا، رسولؐ اور صحابہؓ کی محبت باعثِ نجات ہے۔ اگر کوئی شخص بہت بڑا موحد اور حضورؐ پر بھی ایمان رکھتا ہو لیکن صحابہؓ کی محبت سے محروم ہو تو میرے نزدیک وہ آدمی مسلمان ہی نہیں ہے۔ صحابہؓ کی محبت بھی دین حقہ کی شرائط میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔



بقیہ: عدی بن حاتم

تو سن لے گا کہ ارضِ بابل کا سفید محل (نوشیرواں کا درباری دیوان خانہ) مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہو گا۔

عدی! بتا کہ لا الٰہ الا اللہ کے کہنے میں تجھے کیا تامل ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے؟

عدی! بتاؤ کہ اللہ اکبر کے کہنے میں تجھے کیا عذر ہے۔ کیا اللہ سے بھی کوئی بڑا ہے؟

عدی کہتا ہے کہ اس ارشاد نبویؐ کے بعد دو سال پورے ہو چکے تھے اور تیسرا سال جا رہا تھا کہ میں نے ارض بابل کے محلات کو بھی فتح شدہ دیکھ لیا اور ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے آتے بھی دیکھ لیا اور مجھے امید ہے کہ تیسری بات بھی ہو کر رہے گی۔

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عدی نے ۶۸ھ ہجری میں بعمر ۱۲۰ سال کوفہ میں وفات پائی۔

یہ تیسری بات تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پوری ہو گئی۔ خدا معلوم یہ حضرت عدی کے نوٹس میں کیوں/آئی۔

تاریخ میں آتا ہے کہ واقعی زکوٰۃ اور صدقات لینے والا کوئی مسلمان نہیں ملتا تھا۔ خدا کے فضل سے سب مسلمان صاحب نصاب تھے۔

دعاءِ مغفرت

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے رفیق، حضرت مولانا محمد صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب مسجد بڑولیاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے خلف الرشید مولانا محمد زاہد حسن کی اہلیہ چند دن پہلے انتقال کر گئیں۔ مرحومہ چند ماہ سے فالج کا شکار تھیں۔

اسی طرح مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا تاج محمود کے پھوپھی زاد اور بہنوئی پچھلے دنوں ہری پور میں انتقال کر گئے۔

ادارہ خدام الدین ہر دو حضرات کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ رب العزت مرحومین کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر سے نوازے۔

مدیر خدام الدین کو ہر دو حضرات سے جو تعلق خاطر ہے اس کے پیشِ نظر وہ ان صدمات کو ذاتی صدمہ تصوّر کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو اجر جزیل سے نوازے۔ (ادارہ)

احیاء العلوم سے انتخاب

تحقیق : الامام محمد بن محمد الغزالیؒ
تلخیص و ترجمہ : زاہد الراشدی

ظالم حکمران کے ساتھ میل جول

مقابلہ ضروری ہے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس نے ان کا مقابلہ کیا اس نے نجات پائی جس نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی وہ ان کے شر سے محفوظ رہا اور جو ان کے ساتھ شریک ہوا اس کا شمار انہی کے ساتھ ہوگا۔

یہ اس لیے کہ جس شخص نے ظالم حکمرانوں سے کنارہ کشی کی وہ ان کے شر سے ضرور بچ جائے گا لیکن اس عذاب سے نہیں محفوظ رہ سکے گا جو ان ظالموں کا مقابلہ نہ کرنے کی وجہ سے نازل ہوگا۔

حضورؐ کا اظہار لاتعلقی

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بعد کچھ ایسے حکمران بھی آئیں گے جو ظلم کریں گے۔ جس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کی ظلم میں اعانت کی اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں آسکے گا۔

بدترین علماء

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علماء اللہ تعالٰی کے بندوں کے پاس اس کے رسولوں کے امین ہوتے ہیں، جب تک (ظالم) بادشاہوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ اور اگر انہوں نے حکمرانوں کے ساتھ میل جول شروع کر دیا تو انہوں نے رسولوں کی امانت میں خیانت کی۔ ان سے بچو اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

فتنوں کے مراکز

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے لوگو! فتنوں کے مراکز سے دور رہو۔ پوچھا گیا۔ حضرت! فتنوں کے مراکز کون سے ہیں؟ فرمایا۔ حکمرانوں کے دروازے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی حکمران کے پاس جاتا ہے تو اس کے جھوٹ کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے بارے میں وہ کچھ (تعریفی کلمات) کہتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے۔

دین کے بدلے دنیا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے سلمہؓ! حکمرانوں کے دروازوں میں داخل نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تم حکمرانوں کے پاس جا کر ان کی دنیا میں سے کچھ حصہ وصول کرو گے تو وہ اس کے عوض تمہیں تمہارے دین کے اس سے بہتر حصے سے محروم کر دیں گے۔

جہنم کی خاص وادی

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کی ایک خاص وادی قرآن کریم کے ان قاریوں کے لیے مخصوص ہے جو حکمرانوں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

منافقت اور ریاکاری

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عبادت گزار قاری کا حکمرانوں سے محبت رکھنا منافقت کی علامت ہے اور مالداروں کے ساتھ محبت رکھنا ریاکاری کی نشانی ہے۔

دین سے محرومی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایک شخص (ظالم) کے پاس اس حالت میں جاتا ہے کہ اس کا دین اس کے پاس ہوتا ہے لیکن جب باہر نکلتا ہے تو دین سے محروم ہوتا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کو خدا کی ناراضگی کی قیمت پر بھی راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(باقی ۱۴ پر)

اولوالامر کی اطاعت

مولوی محمد اکرم صاحب کاشمیری

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (صدق اللہ العظیم)

یہ سورۂ نساء کی ۵۹ ویں آیت ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو اور اولوالامر کی اطاعت اور ان کا حکم مانو جو تم ہی میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں ۔ پھر اگر جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسولؐ کے حوالے کر دو یعنی کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرو ۔ اگر تم اللہ اور قیامت پہ ایمان رکھتے ہو ۔ یہی بہتر ہے ۔ اور اس کا انجام بخیر ہوگا ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ اولی الامر کون لوگ ہیں ۔ لغت میں اولوالامر ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام و انتظام ہو ۔

اسی لیے حضرت ابن عباس ، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مفسرین قرآن نے اولی الامر کے مصداق علماء و فقہاء کو قرار دیا ہے ۔ ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے ۔

میرے خیال میں ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ چونکہ ایک عالم اور فقیہ ہوتا ہے ۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کا مصداق بھی ایسے ہی اولوالامر ہوں جو کہ عالم دین اور فقیہ ہوں ۔

واضح رہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری کی تین صورتیں ہیں ؛

۱ ۔ وہ جس کا حکم صراحۃً خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نازل فرما دیا ہے ۔ اس میں کسی تفصیل و تشریح کی حاجت اور ضرورت نہیں جیسے شرک و کفر کا انتہائی جرم ہونا ۔ ایک خدا جو کہ وحدہٗ لاشریک ہے ۔ اس کی عبادت کرنا ، آخرت پہ ایمان رکھنا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری برحق رسول ماننا ۔ نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ کو فرض سمجھنا ۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو براہ راست حکم ربانی ہیں ۔ ان کی تعمیل بلاواسطہ حق تعالیٰ کی اطاعت ہے ۔

دوسرا حصہ احکام کا وہ ہے جس میں تفصیلات و تشریحات کی ضرورت ہے ۔ قرآن حکیم میں جہاں مجمل حکم ہو اس کی تشریح جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے حوالے سے کی جاتی ہے ۔ اس قسم کی اطاعت کو اطاعت رسولؐ کہا جاتا ہے ۔

تیسری قسم کے وہ احکامات ہیں جن میں کتاب و سنّت کی رُو سے کوئی پابندی عائد نہیں ۔ بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے ۔ ایسے احکام میں عملی انتظام حکام و امراء کے سپرد ہے کہ وہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بنا کر سب کو اس پر چلاتے ہیں ۔ مثلاً کسی شہر میں دکانوں کی تعداد

کر بیچے کو کھتے ہوں۔ ٹریفک کا انتظام کس طرح ہو۔ آباد کاری کا انتظام کس طرح کیا جائے وغیرہ۔ ان امور میں عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان احکامات اور قوانین کا احترام کریں۔ اس لیے کہ اگر وہ ان کا احترام نہیں کریں گے تو طرح طرح کی گڑبڑ پیدا ہوگی۔ جس سے ہر قسم کا نقصان ہوگا۔ حالانکہ اسلام نے ہر اس کام کے کرنے سے روکا ہے جس سے مسلمانوں کے مال، جان اور عزت کا نقصان ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت ہے۔ ایک مسلمان کی تکلیف دوسرے مسلمان کی تکلیف ہے۔ تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہی ہے جس طرح ایک مشین کے کئی پرزے ہوتے ہیں اگر ایک پرزہ خراب ہو جائے تو ساری مشین بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر مغرب کے ایک مسلمان کو تکلیف ہوگی تو مشرق کا مسلمان اسے محسوس کرے گا۔ اور پھر ایک اور روایت میں ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہتے ہیں۔ یعنی نہ وہ دوسروں کو ہاتھ سے تکلیف دیتا ہے اور نہ زبان سے۔

ظاہر ہے کہ اگر قانون کا احترام نہیں کیا جائے گا تو ایذاء مسلم کا خطرہ ہے۔ مسلمان کے لیے ہر وہ قانون اور حکم جو قرآن وسنت کے مطابق ہو واجب التعمیل ہے۔

جس طرح عوام پر قانون کی پابندی اور اس کا احترام ضروری ہے اسی طرح ارباب حکومت پر بھی ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے یہ نہیں کہ عوام تو قانون کا احترام کریں اور حکام اس سے بالاتر رہیں۔

خلفاء راشدین کے دور میں بلکہ جتنی بھی اسلامی حکومتیں آئی ہیں سب میں مسلمان احترام قانون کو لازمی اور ضروری سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ قاضی شریح نے ان کو عدالت میں اس وقت طلب کیا جبکہ ایک یہودی نے دعویٰ دائر کیا۔ حضرت علیؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور عدالت میں حاضر ہو گئے۔ یہ تھا قانون کا احترام۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک قوانین کا احترام نہیں کیا جائے گا تو انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ بلکہ پوری زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قانون کا احترام کرنے پر انتہائی زور دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احترام قانون کی توفیق دے۔

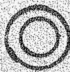
بقیہ ظالم حکمران ....

ظالم کی معمولی سی رفاقت عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اپنا عامل مقرر کیا لوگوں نے بتایا کہ حضرت! وہ شخص تو حجاج کا عامل بھی رہ چکا ہے۔ آپ نے اسے فی الفور معزول کر دیا۔ اس شخص نے صفائی پیش کی کہ امیرالمومنین! میں نے حجاج کے ساتھ بہت معمولی عرصہ کام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا! اگر تم نے ایک دن یا اس سے بھی کم مدت نحوست اور شر کا ساتھ دیا ہے تو بھی کافی ہے۔

ظالم کے لیے دعا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے ظالم کے لیے دعا کی تو گویا اس نے اس بات کو پسند کیا کہ زمین پر خدا کی نافرمانی ہوتی رہے۔

ظالم کی مدد حضرت سفیان ثوریؒ سے ایک قریب المرگ ظالم کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا اسے پانی کا گھونٹ پلایا جائے؟ فرمایا اس کو اسی حالت میں رہنے دو۔ حتیٰ کہ وہ مر جائے کیونکہ اس کی (بہترین) مدد یہی ہے۔

مبغوض ترین عالم امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں ہے جو (ظالم) حکمران کے پاس جاتا رہتا ہے۔



فیلسوفِ اسلام

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی خدمات

جناب احسان اللہ : اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

شاہ ولی اللہ ایک عالم دین ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ مفکر بھی تھے۔ قرآن وسنت پر گہری نظر رکھنے کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ میں بھی ماہر تھے۔ رموزِ شریعت اور اسرارِ دین میں بھی اپنے لئے ایک خاص امتیازی مقام پیدا کیا اس مردِ حق آگاہ نے مسلمانوں کے حال ومستقبل کا جائزہ لے کر تمام سیاسی، دینی اور اجتماعی مسائل کا حل اسلامی علوم کی اشاعت میں ڈھونڈ نکالا۔ آپ کے انقلابی ذہن نے سوچ اور فکر کی نئی راہیں تلاش کیں۔ شریعت اور طریقت کی آمیزش سے نیا اندازِ فکر اختیار کیا۔ فکری کاوش اور فقہی صلاحیت واستعداد نے اجتہاد اور تفقہ کی امامت بخشی۔ آپ نے وقتی تقاضوں اور ملی ضرورتوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اسلامی علوم کی اشاعت کے لئے کمربستہ ہوگئے اور علمی اور فکری دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ اس انقلاب لانے کیلئے شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے۔

نصاب تعلیم میں تبدیلی

زمانہ گذر چکا تھا اور نصاب تعلیم اور طریق تدریس میں کئی خامیاں اور نقائص پیدا ہو چکے تھے۔ اس عالی دماغ انسان نے ضروری سمجھا کہ اسلامی علوم کی اشاعت وترویج کے لئے آسان اور موزوں نصاب تعلیم مرتب کیا جائے اور ذہنی جمود توڑنے کے لئے طریقہ تعلیم میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت اور نئے نصاب تعلیم کا خاکہ اپنے ایک رسالہ "وصیت نامہ" کی چھٹی وصیت میں پیش کیا آپ فرماتے ہیں کہ

پہلے طالب علم کے ذہن کے مطابق صرف ونحو کے تین چار مختصر رسالے پڑھائیں جائیں۔ بعد ازاں عربی زبان میں تاریخ کی کوئی کتاب پڑھائی جائے۔ مطالعہ کے دوران میں مشکل الفاظ "مادے" جیسے کہ لغت کی کتابوں [illegible] ملتے ہیں بتائے جائیں اور تمام مشکل الفاظ حل کئے جائیں جب طالب علم عربی زبان پر عبور حاصل ہو جائے تو امام مالکؒ کی موطا [illegible] اس لئے کہ یہ کتاب علم حدیث کی بنیاد ہے پھر قرآن مجید [illegible] پڑھیں کہ صرف ترجمہ سیکھیں اگر کوئی نحوی دقت یا شانِ نزول سے متعلق مشکل درپیش ہو تو ٹھہر جائیے اور بحث وتمحیص سے اس کا حل تلاش کریں۔ اس کے بعد ایک وقت میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم نیز فقہ، عقائد اور سلوک کی کتابیں پڑھیں اور دوسرے وقت میں ملا جامی اور قطبی وغیرہ پڑھیں۔

اس طرح شاہ ولی اللہ نے اپنے مستقل رسالے دانشمندی میں اسلامی علوم کے طریقہ تعلیم اور اصول تدریس سے بحث کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برِاعظم پاک وہند میں درس قرآن وحدیث کے چرچے شاہ صاحب کی کوششوں کے مرہونِ منت ہیں۔ دینی تعلیم جو روحانیت پیدا کرتی ہے۔ اسلامی ثقافت اور معاشرت کی صحیح تصور پیش کرتی ہے۔ اسلامی اقدار کو زندگی بخشتی ہے اور انسانی معاشرے کے کردار وسیرت پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ انہی علوم کی اشاعت کی طرف شاہ صاحب نے خصوصی توجہ دی۔

تصنیف وتالیف

شاہ صاحب نے اسلامی علوم کی اشاعت کے سلسلے میں تالیف و تصنیف کے منصوبے پر عمل درآمد کیا۔ قرآن مجید جو تمام اسلامی علوم کا اولین سرچشمہ ہے مسلمان عوام اس کو متبرک اور مقدس مانتے ہیں۔ لیکن یہ احساس مدھم ہو چکا تھا کہ اس تقدس اور تبرک کے ساتھ قرآن مجید پوری ملت کے لئے ایک دستور زندگی بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس جامع کتاب کو سمجھنے اور اس میں غور وفکر کو عام رواج دینے کے لئے "فتح الرحمٰن" کے نام سے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ بڑی خوبیوں کا حامل ہے۔ خود شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں ان خصوصیتوں کا ذکر فرمایا ہے اس ترجمہ کے لکھنے سے شاہ صاحب نے دین کو سمجھنے کے لئے راہ ہموار کر دی۔ شاہ صاحب نے محض ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ فوائد کے نام سے جابجا مختصر مگر معنی تشریحات بھی تحریر فرمائیں فتح الرحمٰن کے بعد الفوز الکبیر کا ذکر

ضروری ہے۔ الفوز الکبیر فارسی زبان میں اصول تفسیر پر نہایت جلیل القدر اور قیمتی تصنیف ہے۔ یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامعیت کی حامل ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن فہمی کے اصول سمجھانے کے لئے اس مختصر کتاب میں محققانہ انداز میں بیش بہا معلومات جمع کر دی ہیں۔

قرآن مجید سمجھنے کے سلسلے میں شاہ صاحب نے ایک اور مختصر رسالہ "فتح الخبیر" اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ کتب حدیث میں سے تفاسیر ماثورہ کو جمع کر کے فتح الخبیر میں قلمبند کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

علم حدیث

اسلامی علوم کا دوسرا سرچشمہ حدیث نبوی ہے۔ ترویج حدیث کے لئے آپ کی نگاہ انتخاب امام مالک کی الموطا پر پڑی۔ شاہ صاحب نے الموطا کی ایک مختصر شرح فارسی زبان میں "المصفی" کے نام سے تحریر فرمائی۔ لیکن شاہ صاحب اس کام سے زیادہ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ آپ کی فارسی شرح کے مخاطب عموماً جمہور مسلمان تھے۔ آپ علما کو بھی خطاب کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ علماء دین اور خواص امت کے لئے ایک شرح عربی زبان میں المسوی من احادیث الموطا کے نام سے لکھی۔ المسوی شرح بھی ہے اور مستقل تالیف بھی۔ اس کتاب میں احادیث درج کرنے کے بعد ائمہ کرام کی فقہی آراء پیش کرتے ہیں۔ اور پھر مسئلہ پر بحث ختم کرنے سے پہلے قلتُ (یعنی میں کہتا ہوں) لکھ کر اپنی رائے اور تحقیق بھی درج فرما دیتے ہیں۔

رموز دین اور اسرار شریعت

عربی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک شاہکار حجۃ اللہ البالغۃ ہے۔ اسرار شریعت اور رموز دین سمجھنے کے لئے حضرت شاہ صاحب نے ملت اسلامیہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس کتاب میں مذہب کے قواعد و اصول شریعت کے اسرار و رموز اور مقاصد دین کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغۃ کی پہلی اشاعت و طباعت کا شرف نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے حصے میں آیا۔ بعد ازاں یہ کتاب برصغیر میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کے چند مباحث حصہ اول کے درج ذیل ہیں۔

قواعد کلیہ جن سے احکام شرعیہ کے بارے میں مصالح کا استنباط ہوتا ہے۔ جزا و سزا تدبیر منزل آداب معاش، معاملات۔ سیاست مدنیہ، نیکی اور گناہ، سیاست ملیہ، مصالح و شرائع کے درمیان فرق، فقہا کے اختلاف کے اسباب وغیرہ۔ دوسرے حصے میں اسرار دین و رموز شریعت کا بیان ہے۔ الاعتصام بالکتاب والسنۃ کا عنوان قائم کر کے کتاب و سنت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ طہارت، وضو، غسل، تیمم، نماز کے مسائل و احکام روزہ، زکوٰۃ، حج کے مقامات و احوال، تلاش رزق، تدبیر منزل، عائلی زندگی اور کئی موضوعات ہیں۔ اور مناقب صحابہ کرام پر ختم ہو جاتا ہے۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا عبدالحق حقانی مولف تفسیر حقانی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس قیمتی اور نادر کتاب کا ایک ترجمہ مولانا عبدالرحیم پشاوری کے قلم سے دو جلدوں میں لاہور سے سنہ ۱۹۵۳ء میں قومی کتاب خانہ والوں نے شائع کر کے بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔

اسرار شریعت کی وضاحت میں تین اور کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔

(۱) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف
(۲) الخیر الکثیر
(۳) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

آخر الذکر کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے اجتہاد پر زور دیتے ہوئے فقہی جمود کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور اہل حدیث کو تفقہ فی الحدیث کا درس دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی اکثر کتب میں اسلامی عقائد و عبادات کی توضیح و تشریح کا فرض بھی ادا کیا ہے۔

اسلامی تصوف

اسلامی علوم کی ترویج کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو خالص اسلامی رنگ دیا ہے۔ قرآن و سنت سے ربط پیدا کر کے تصوف کو پھر سے قرآن و سنت کے تابع کر دیا اور غیر اسلامی خدوخال سے پاک اس تصوف کا عملی نمونہ خود اپنی زندگی اور کردار میں پیش کر دیا۔ ذکر الٰہی، فکر معاد اور احسن تر وابستگی یکجا کر کر ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ اس موضوع پر البدور البازغہ الطاف قدس، القول الجمیل وغیرہ لکھ کر ایسی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

اسلامی معاشرہ

اسلامی علوم کی اشاعت کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کا آخری منصوبہ اسلامی معاشرے کی تشکیل و قیام کا تھا اس مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں بھی حضرت شاہ صاحب کی مساعی کچھ کم قابل قدر نہیں ہیں۔ ازالۃ الخفاء لکھ کر خلافت راشدہ کا مقام۔ خلفاء کی خدمات جلیلہ اور سیاست کاری کے اصول بیان کئے ہیں۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلامی معاشرے میں اختلاف کم کر کے اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کی جائے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اسلامی معاشرے کا قیام اسلامی حکومت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے اپنے عہد کی اسلامی طاقتوں سے رابطہ پیدا کیا پہلے نجیب الدولہ کو پھر احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے اور انہی اسلامی ذمہ داریوں کا احساس[۴]

۴۔ دلا کر معرکہ پانی پت کے لیے دعوت دی۔

انور صابری

بھول گئے

جس دَور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی اور اپنا فسانہ بھول گئے

وہ ذکرِ حبیبِ رحمت کا ایں کہتے ہیں جسے قرآنِ مبیں
دنیا کے نئے نغمے سیکھے عقبیٰ کا ترانہ بھول گئے

اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشا بن بھی گئے
دنیا کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے

عبرت کا مرقّع یہ پستی ہے قابلِ حیرت یہ مستی
اپنا تو مٹانا یاد رہا باطل کا مٹانا بھول گئے

انجام آزادی کیا کہیئے بربادی سی بربادی ہے!
جو درس شہِ بطحاؐ نے دیا دنیا کو پڑھانا بھول گئے

تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دِل ہِل جاتے تھے وہ ضربِ لگانا بھول گئے

جو روزِ ازل پیمان کئے دنیا میں وہ پیماں بھول گئے
جو کام مسلمانوں کے تھے وہ کام مسلماں بھول گئے

دنیا کا تو گھر آباد کیا، عقبیٰ کا مگر برباد کیا
مشکل میں خدا کو یاد کیا مشکل ہوئی آساں بھول گئے

فرعون نہیں شدّاد نہیں دنیا میں قومِ عاد نہیں
کیا لوطؑ کی امّت یاد نہیں کیا نوحؑ کا طوفاں بھول گئے

منہ دیکھ لیا آئینے میں اور داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگا لیا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے

مرسلہ: خاموش مبلغ، ملتان

مقالات حکمت

* خیالات جب پاک ہو جاتے ہیں، متحد ہو جاتے ہیں، جب متحد ہو جاتے ہیں، بلند ہو جاتے ہیں اور خیالات کی بلندی انسانی معراج کا ابتدائی مقام ہے۔
* تعصب حسد کی ایک شدید قسم ہے اور حسد نیکیوں کو ایسے جلا دیتا ہے جیسے کہ آگ لکڑی کو۔
* کوئی مرد کسی عورت کو تنہائی میں کوئی علم نہیں پڑھا سکتا۔ عورت اگرچہ رابعہ بصریؒ ہو اور مرد خواہ حسن بصریؒ۔ درس قرآن کریم ہو اور درس گاہ کعبہ۔ پھر بھی خطرے سے خالی نہیں۔
* اتحاد اسلام کی جان ہے۔ اتحاد کا حامی اسلام کا حامی اور اسلام کا حامی صحیح مسلمان ہے۔
* توکل، رضا، شکر، صبر ایک ہی خصلت کے مختلف نام و مدارج ہیں۔
* اخلاق کی کمی کو عبادت پورا نہیں کر سکتی لیکن عبادت کی کمی کو اخلاق پورا کر دیتا ہے۔
* یہ عشق جو آج ہر زبان پر جاری ہے، محض زبانی ہے۔ ورنہ اگر کوئی واقعتہً حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر عاشق ہو جاتا تو کبھی کوئی قدم کسی سنت کے خلاف ہرگز نہ اٹھاتا اور ہر سنت کو اپناتا۔
* شریعت کی پابندی نفس کی عین مخالفت ہے نفس کی سب سے مرغوب شے شہرت ہے۔
* اہل طریقت، اہل وفا، اہل محبت اور اہل جستجو رات کو نہیں سوتے۔ ساری رات کبھی نہیں سوتے نہ ہی انہیں رات بھر سونا زیب دیتا ہے۔
* ماحول بدل، ہر انسان ماحول ہی کے ماتحت پرورش پاتا ہے۔ انسانی تربیت میں جو اہمیت ماحول کو حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔ جب تک کوئی اپنا ماحول نہیں بدلتا یا جب تک اللہ کسی کا ماحول نہیں بدلتا، کوئی نہیں بدلتا۔
* جب کوئی آدمی یا قوم اپنی اصلاح کا تہیہ کر لیتی ہے، اللہ اسے اسی وقت ضروری اسباب عنایت فرما دیتے ہیں
* بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، شفا ہے ہر مرض کی۔ جس مریض پر بھی یہ اسم اعظم پڑھا جائے انشاءاللہ تعالٰے شفا ہو۔
* نکتہ چینی اتفاق کی ضد ہے اور نکتہ چیں کسی نکتہ پر کبھی متفق نہیں ہوتا۔
* شریعت۔ علم۔ طریقت۔ علم پر عمل۔ حقیقت۔ علم پر عمل کا حال اور معرفت پہچان ہے اپنی پہچان۔ جب تک کوئی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کسی اور چیز کو نہیں پہچان سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ کو بھی نہیں۔
* دین کبھی پرانا نہیں ہوتا، کبھی نہیں بدلتا۔ نئی تہذیب کے ساتھ نیا شعور اور پرانا دین لازم و ملزوم ہے۔
* اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عبادت محض کافی نہیں۔ اللہ کی مخلوق کو راضی کرنا ضروری ہے مخلوق میں اوّل درجہ بچاپہ اور نادار کا ہے۔
* مسلمان دنیا میں رہنے نہیں، رہنا سکھانے آیا ہے۔ نہ گھر بنانے آیا نہ زر۔ تو ایک راہی ہے، کبھی کسی راہی نے بھی کسی راہ میں کوئی گھر بنایا؟
* آدمی چلا جاتا ہے، خصلت چھوڑ جاتا ہے خصلتیں بہت ہیں۔ سر فہرست یہ ہیں۔ صداقت، عدالت، شرافت، شجاعت، سخاوت، شہادت۔ ان میں سے کسی ایک خصلت کو ضرور اپنا اور پوری طرح

(باقی ۲۴ پر)

شرعی سزاؤں کی اہمیت

مولانا محمد اشرف صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور

قانون کا منشا

دنیا میں جو قانون بنائے جاتے ہیں ان کا منشاء سوسائٹی کی اعلیٰ اقدار کا تحفظ، مفادات عامہ کی حفاظت اور امن وامان کی بقاء اور ایک دوسرے کے جان ومال وآبرو کا بچاؤ ہوتا ہے۔

مغرب نے انسان کو ایک "بڑھیا حیوان" قرار دیا ہے۔ انگریزی کا مشہور قول ہے (A MAN ISASOCIAL ANIMAL) (انسان ایک معاشرہ پسند حیوان ہے) سوسائٹی کے اس بڑھیا جانور کو سدھانے اور حدود انسانیت کا پابند بنانے کے لئے حدود وقیود کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس طرح قوانین وجود میں آتے ہیں یا یوں کہیے کہ انسان معاشرہ میں رہتا ہے۔ سوسائٹی میں افراد کے روابط ایک دوسرے سے قائم ہوتے ہیں۔ اگر ان روابط کو ضوابط کا پابند نہ کیا جائے تو انسانی زندگی اور جنگل کی زندگی میں فرق نہ رہے۔ باہمی میل ملاپ حقوق وفرائض کو پیدا کرتا ہے۔ کہ باہمی مفادات جب ٹکراتے ہیں تو حقوق کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے۔ جب حقوق پیدا ہوتے ہیں اور فرائض لازم آتے ہیں تو حقوق وفرائض، عادلانہ قوانین کی تشریح وتنقید چاہتے ہیں۔ اس لئے فرد وجماعت کے مفادات کی نگہداشت سوسائٹی کے اعلیٰ حقوق کی حفاظت اور نظم وضبط کی بقاء کے لئے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ (SOLAN) سولن سے لے کر موجودہ دور تک کے سب مقنن اس پر متفق ہیں کہ اگر انسانی معاشرہ کو انارکی، دہشت اور بہیمیت سے بچانا ہے تو مجموعہ کے مفاد پر فرد کا وہ مفاد قربان کیا جائے گا جو "مفاد عامہ" سے ٹکراتا ہے۔ اسے نقصان پہنچاتا ہے اور ضائع کرتا ہے۔

قانون اور مفاداتِ عامہ

وہ فرد وگروہ جو اپنے مفادات ومقاصد خاصہ کے لیے سوسائٹی کے حقوق کو ضائع وپامال کرتا ہے اور جماعت کے امن وامان کو برباد کرتا ہے اور اس کی عزت وآبرو اور جان ومال کے درپے ہوتا ہے وہ سوسائٹی کا من حیث المجموع مجرم ہے۔ معاشرہ کا فرض ہے کہ ایسے ظالم اور وحشی کو اس کے برے کام سے روکے۔ ورنہ پوری سوسائٹی نقصان اٹھائے گی اور ممکن ہے کہ اس کا قبیح فعل پوری سوسائٹی کو لے ڈوبے۔ انسانیت کو سب سے بڑا عادلانہ قانون دینے والے اور نفسیاتِ انسانی کے سب سے بڑے ماہر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک تمثیل میں پیش کیا ہے۔ اور فرمایا "اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود (یعنی احکام) کا قائم کرنے والا اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا توڑنے والا ہے۔ اس کی مثال ایسی قوم کی ہے۔ جنہوں نے ایک (دو منزلہ) جہاز میں قرعہ اندازی سے اپنی جگہیں مقرر کی ہوں۔ بعض اوپر کی منزل اور بعض نچلی منزل میں ٹھہرے ہوں۔ وہ لوگ جو نچلی منزل میں ہیں، جب انہیں پانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ پانی کے لئے اوپر کی منزل پر گزرتے ہیں۔ پس اگر یوں وہ کہیں کہ ہم اپنے حصہ جہاز میں سوراخ کر لیتے ہیں تو سب کے سب ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ نچلے آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر روک دیں تو وہ بھی بچ جائیں گے اور باقی سب ہی بچ جائیں گے (ورنہ وہ سب ہلاک ہو جائیں گے) (بخاری وترمذی)

انسدادی اقدام کی ضرورت

غرض ایسے "مجرم" فرد وگروہ سے نپٹنے کے لئے اور اس کے شر سے سوسائٹی کو بچانے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کو ایسے افعال قبیحہ سے روکنے کے لئے ہر وہ قدم درست ومناسب ہوگا۔ جو اس فعل قبیح کی شناعت کے بقدر اس سوسائٹی کے دشمن "وحشی" کو کیفر کردار تک پہنچا سکے اور آئندہ کے لئے اسے بھی خود اس عمل سے روک دے اور سوسائٹی کے دیگر افراد

بھی اس سزا کو دیکھ کر ایسے اعمال سے بچ جائیں گویا آج کے قانون کی اصطلاح میں DETERENT PUNISHMENT ہے۔ یعنی وہ سزا جس کا مدعا افعال قبیحہ سے مجرم اور دیگر کو روکنا ہے۔ سزا کا اصلاحی REFORMATIVE نظریہ جس سے "روک" سے بالکل اغماض برتا جائے اور جس کے تحت ہیں نری مجرم سے ہمدردی کارفرما ہو۔ وہ انسانی نفسیات کے مجرمانہ، پہلوؤں پر نگاہ نہیں رکھتا۔ ایسے قوانین میں ہمیشہ ایسا رخنہ LOOPHOLE رہ جاتا ہے۔ جو سزا کے مقصد ہی کو فوت کر دیتا ہے۔ مجرم کے ساتھ "نرمی" دنا جائز ہمدردی غیر مجرموں کے ساتھ ظلم و زیادتی کے مترادف ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انصر اخاک الظالم او المظلوم

اپنے بھائی کی مدد کرو (خواہ) وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اور لوگوں کے سوال پر ظالم کی مدد کا یہ مطلب بتایا کہ اسے ظلم سے روک دو کہ یہی اس کی اصل مدد ہے۔ (الترغیب والترہیب منذری ص ۱۹۱ ج ۳ بحوالہ بخاری

نرم قانون کا اثر

آج یورپ و امریکہ میں جہاں قوانین کی تشکیل میں یہ ہمدردانہ نظریہ کارفرما ہے۔ عدل و انصاف کے اصل تقاضے پامال ہو رہے ہیں اور جرائم کی رفتار روز افزوں ہے۔ بلکہ جرم کا عمومی رجحان بڑوں کے علاوہ چھوٹوں میں بھی پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قتل و ڈکیتی، چوری، زنا بالجبر اور طرح طرح کے "جدید مہذب" جرائم کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔ جس پر وہاں کی مستند جرائم تفتیشی رپورٹیں شاہد ہیں۔ آج یورپ و امریکہ (جن پر ہم اپنی متاع دین و دانش و قربان کر چکے ہیں) اپنے جرموں کو بند کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ یہ تو ایک نئی فرنگیانہ تکنیک استعمال کی۔ جیسے ان سے پہلے ہمیشہ یہود کرتے آئے کہ ہر جرم کو "جرائم" کی فہرست سے نکالنا شروع کر دیا یا گناہ کو بھی نیکی بنا دیا۔ امریکہ اور یورپ کے قوانین کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے ہمارے دعویٰ کی یقیناً تائید کریں گے۔ کہ وہاں جب جرم پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو اسے اولاً قانونی نرمی سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔ اور جب اس نرمی کے نتائج بد سے بد تر برآمد ہونے لگتے ہیں تو پھر اس گناہ کو ثواب بنا دیا جاتا ہے۔ اور اسے قانونی تحفظ دے دیا جاتا ہے۔ کلیسا بھی اس سلسلہ میں پہلے چلاتا ہے پھر وہ بھی اپنے آپ کو بے بس پا کر ہموار ہو جاتا ہے۔

بے بسی کے شواہد

اس ضمن میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ نے تلذذ بالمثل HOMOS EXUALITY کے تحفظ کے لئے قانون بنا دیا ہے۔ حالانکہ وہ ایسا فعل ہے جس سے فطرتِ سلیمہ خود بخود ابا کرتی ہے اور عقل و دانش ان کے کرنے والوں پر لعنت بھیجتی ہے اور ماتم کرتی ہے مگر "جمہوری تقاضا" کے تحت دنیا کی "مہذب ترین" اور "قدیم ترین پارلیمنٹ" اس کے جواز و تحسین کا پروانہ دیتی ہے۔ جس کی بناء پر کلیسا میں مرد کا مرد سے نکاح کر دیا جاتا ہے۔ عورت و مرد کے لئے میلانِ جنس کی بناء پر شاید کوئی گنجائش بے دین دانشمندوں کے ہاں نکل آتی۔ لیکن تلذذ بالمثل کے لئے برباد شدہ سدوم والوں نے بھی جواز کا ایسا ماڈرن یا جدید طرز اختیار نہیں کیا ہوگا۔ جس سے وحشت و بربریت اور تہذیب و ترقی کے دائرے مل جاتے ہیں۔ یہ "انسانی قانونی اداروں" کی کرشمہ سازی ہے کہ وہ جب چاہیں اور جس بہیمیت و وحشت کو چاہیں "تہذیب و ترقی کی قانونی شکل" دے دیں، کہیں نسل کشی، کہیں اسقاطِ حمل، کہیں ملکی نادگی کو قانونی جواز سے نواز دیں۔ برطانیہ کی دیکھا دیکھی کینیڈا نے بھی قانونی طور پر "تلذذ بالمثل کو اپنا لیا ہے۔ اور ڈنمارک تو ان دونوں سے آگے نکل گیا ہے۔ جس کی پارلیمنٹ میں حال ہی میں بہن اور بھائی کی شادی کا مسودۂ قانون پیش ہو کر زیر بحث آیا ہے۔ شہوات میں ڈوبی ہوئی نسل انسانی کی مجالس قانون سازسے اور توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے۔ اس لئے وہ قانون جس میں مجرم کے ساتھ دلی ہمدردی اور قانونی رعایت برتی جائے گی وہاں نہ تو جرائم رک سکتے ہیں اور نہ صحیح عدل و انصاف ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قانون کے اجراء میں مجرمین پر نرمی کو پسند نہیں کیا اور صاف کہدیا ہے کہ "تم لوگوں کو ان دونوں (زنا کے مجرموں) پر اللہ کے احکام کے اجراء کے بارے میں ذرا رحم نہ آنا چاہیئے"۔ (النور-۱)

اسلامی قانون کی خصوصیت

اسلام کا "خدائی قانون" جو فرد و معاشرہ دونوں کے حقوق کا

واحد عادل و نگراں ہے۔ گو فرد کی سود و بہبود اس کی نگاہ میں ہے۔ مگر وہ معاشرہ کو فرد پر قربان نہیں کرتا۔ اس کا نظریہ ہے کہ اگر بیک وقت ایک بھی ڈوب رہا ہو اور سو بھی ڈوب رہے ہوں، تو سو کے بچانے میں اگر ایک ڈوب جائے تو کوئی حرج نہیں وہ یہ نہیں کہتا کہ "مجرم" کو اپنے جرائم میں ایسی رعایت دے دو کہ پورے معاشرہ کو یہ کہتا ہوا لے ڈوبے۔ ع

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

وہی قومیں نجات و ترقی پاتی ہیں جو فرد کو ملت پر قربان کر دیتی ہیں وہ قومیں کبھی نہیں پنپ سکتیں جو افراد و مخصوص طبقات کے مفادات کو قوم و ملت، معاشرہ و سوسائٹی کے عمومی مفاد پر ترجیح دیتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے اپنے نظریہ قانون میں اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ مجرم کو ہمیشہ ایسی سزا دی جائے جس سے اس کے مادہ جرم کا استیصال ہو جائے اور یہ سزا ایسی عبرت انگیز ہو کہ دوسرے اسے دیکھ کر ہمیشہ کے لئے اس عمل سے رک جائیں اور سوسائٹی ہمیشہ کے لئے ایسے روگ اور ناسور سے پاک ہو جائے۔

قرآن کا نظریہ سزا

اسی لئے قرآن کریم نے "جرائم کی سزا میں" "جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ (مائدہ) سزا بدلے اس کے جو کیا یا ان نے اور عبرت خدا کی طرف سے) کا نظریہ پیش کیا ہے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نظریہ سزا میں (۱) مکافات عمل (بدکرداریوں کا بدلہ) اور (۲) عبرت انگیزی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس سزا میں چونکہ مجرم اور معاشرہ دونوں کی بہبود پیش نظر ہے۔ اس لئے اگر مجرم کا جرم آشکارا ہو گیا ہے۔ اور جماعت یا معاشرہ نے فرد کے اس برے فعل کو جان لیا ہے تو سزا بھی ایسی ہونی چاہیئے جو بیک وقت مجرم کو آئندہ کے لئے اس جرم سے روک دے اور معاشرہ کے لئے بھی ایسی عبرت کا سامان مہیا کرے کہ اس معاشرہ کا کوئی بدفطرت فرد بھی ایسے قبیح فعل کے اقدام کی جرأت نہ کر سکے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ جب مجرم کو فوراً واقعی سزا دی جائے اور مجمع کے لئے اسے درس عبرت بنا دیا جائے۔ تاکہ وہ بزبان حال پکارتا پھرے۔

[illegible] مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

[illegible] لئے ضروری ہے کہ چوری چھپی سزا نہ ہو کہ اس سے عبرت پذیری کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور عدل و انصاف اور اصلاح معاشرہ کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اس لئے ایک اور مقام پر زنا کی سزا کے متعلق صاف الفاظ میں حکم دیا گیا ہے۔ کہ

ولیشہد عذابہما طائفۃ من المومنین (النور-۱۰) اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے) اسلامی نظریہ کی ان خصوصیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اسلام کی سزاؤں پر نظر کیجئے۔

چوری کی سزا

اسلام نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے۔ جسے وحشیانہ سزا کہا جاتا ہے۔ کہ یہ چور پر ظلم ہے۔ حالانکہ چوری خود ایک وحشیانہ عمل ہے معاشرہ کے اس مجرم و وحشی کو اگر اس کی وحشت و بربریت سے روکنے اور معاشرہ کو اس کے شر سے بچانے کے لئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے تو کیا حرج ہے۔ ایک ہاتھ کٹتا ہے۔ صدہا ہاتھ کی کمائی محفوظ ہو جاتی ہے۔ ہزاروں کی تجوریاں بچتی ہیں۔ سعودی عرب میں جہاں آج سے پچاس سال پہلے لوٹ مار کے قصے مشہور تھے۔ آج ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے کہ لاکھوں اور ہزاروں کا مال دکان میں پڑا ہے۔ دکاندار نماز کے لئے کعبۃ اللہ جاتا ہے۔ آدھ گھنٹہ وہاں گذار کر آتا ہے۔ دریں اثناء دکان کھلی ہے۔ لیکن کوئی آنکھ اٹھا کر بھی اس کے مال کی طرف نہیں دیکھتا۔ نہ ایک تنکا چوری ہوتا ہے۔ اور یہ سب اسی سزا کی برکت ہے کہ چند لوگوں کے شروع میں ہاتھ کٹ گئے۔ آج کوئی ہاتھ چوری کے لئے نہیں بڑھتا۔ اگر ایک ہاتھ کٹ جائے، ہزاروں کو عبرت ہوگی۔ یہ خود مستقل سزا اور سامان عبرت ہے کہ ایک شخص کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ پھر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ مدعا نہیں کہ جہاں یہ عبرت پذیر عادلانہ سزائیں نافذ ہوتی ہیں۔ وہاں سب طرف ہاتھ کٹے ہوئے ہی پھر رہے ہوتے ہیں۔ چند کا ہاتھ کٹا اور ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا سدباب ہو گیا۔ کم از کم راقم نے ساڑھے تین ماہ قیام حجاز میں ایک ہاتھ کٹے شخص کو نہیں دیکھا نہ کسی کا ہاتھ کٹتے دیکھا۔ سزا کا تصور ہی اتنا ہیبت ناک ہوتا ہے۔ کہ کسی کو جرم کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ بقول سعدیؒ اگر ایک جگہ سے پانی پھوٹتا ہے تو اس کو سرمہ کی سلائی سے بند کر دو۔ ورنہ بعد میں ہاتھی بھی اسے بند نہیں کر سکے گا۔

آج معاشرہ ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ ورنہ جیسے ڈاکٹر کے مشورہ پر ایک SEPTIC HAND (زہر رسیدہ ہاتھ) کو جسم

کے بچانے کے لئے کاٹ دیتے ہیں اور اس میں قباحت نہیں سمجھتے۔ اسی طرح سوسائٹی کو بچانے کے لئے چور کے ہاتھ پر ہم اعتراض نہ کرنے۔ جس طرح شفیق ترین ماں جو بچے کے ہاتھ میں کانٹا چبھنا گوارا نہیں کرتی۔ اگر اس کے بیٹے کے ہاتھ میں پیپ پڑ جائے اور اسے ڈاکٹر کہے کہ بیٹے کا ہاتھ کٹوا دے۔ ورنہ تمام جسم یا پورا بازو خراب ہو جائے گا تو ماں اپنی تمام پیار و محبت کے باوجود ڈاکٹر کی نصیحت کو مانے گی اور بیٹے سے کہے گی کہ بیٹا ہاتھ کٹوالے کہ تیرا باقی جسم بچ جائے۔ ہاتھ کٹتے وقت بیٹے کا ہاتھ کٹ رہا ہوگا اور رحیم و مہربان ماں کا دل کٹ رہا ہوگا۔ لیکن عقل کے تقاضے کی بناء پر سب کچھ گوارا کرے گی کہ ہاتھ کٹتا ہے تو کٹ جائے۔ لیکن میرے بچے کا باقی جسم بچ جائے۔ اسی طرح رحیم و شفیق اللہ تعالٰے ہاتھ کاٹنا نہیں چاہتے۔ لیکن معاشرہ کی جان یعنی اس کے اخلاق و اعلیٰ قدروں کو بچانے کے لئے اور اس کے حقوق اور مال و متاع کی حفاظت کے لئے فرد کا ہاتھ کٹوا دیتا ہے کہ بسا اوقات چوری جان لیوا تک ثابت ہو جاتی ہے۔ ہم سادہ دل روتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن حکمتِ ربانی مسکراتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ ذرا سوچو تو سہی۔ یہ سختی کتنوں پر نرمی کا سبب اور ہاتھ کا کٹنا کتنوں کی گردنوں کے بچاؤ کا ذریعہ بن گیا۔ یہ قہر خاص برلئے لطف عام ہے اور یہ قطع ید برائے حفاظت جسم و جان ہے۔ اس لئے قطع ید کی سزا وحشیانہ نہیں۔ بلکہ حکیمانہ ہے۔

لمحۂ فکریہ

زنا کی سزا کے متعلق کچھ کہنے سے پیشتر چند باتیں ذہن نشین کرانی اشد ضروری ہیں۔ کہ آج مغرب کی تقلید میں ہمیں اپنے قوانین کی قدر نہیں رہی اور ہم ان کی ہی کہہ رہے ہیں اور ان کی سنی سنا رہے ہیں۔ ہمارا ذہن اتنا مفلوج ہو گیا ہے کہ ہمارا اپنی کوئی رائے باقی ہی نہیں رہی ہے یورپ اچھا کہتا ہے۔ اسے ہم اچھا سمجھتے ہیں۔ جسے وہ بُرا قرار دیتا ہے۔ اسے ہم بُرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ آج کسی مسئلہ پر بات کرنے سے پہلے ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ مغرب کا اس بارے میں نظریہ کیا ہے۔ اگر وہاں سے سندِ جواز مل گئی تو پھر کسی تحقیق کی ضرورت نہیں اور اگر وہاں سے کسی بات کے غلط و ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر ہو گیا تو ہماری زبانیں گنگ ہو گئیں۔ ہمارے دلوں پر تالے پڑ گئے اور ہمارے دماغوں کے سوتے خشک ہو گئے "مرعوبیت" کی اس دنیا میں قلندرانہ جرأت، مومنانہ فراست

فقیہانہ دانش و حکمت، داعیانہ بے باکی و ہمت کے بغیر ایک قدم بھی آگے بڑھانا مشکل ہے۔

چیتے کا جگر چاہیئے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں دنیا میں بے حکمتِ افرنگ

جس شخص یا قوم کے پاس قرآن جیسی کتاب اور سید الانبیاء فخر رسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات عالی مرتبت موجود ہو۔ اسے یورپ کا "سحر سامری" بہکا نہیں سکتا اور وہ اپنے مسائل کے لئے عدل و حکمت سے تہی دامن غریب یورپ کی دریوزہ گری نہیں کر سکتا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

بہر حال اگر یورپ کے عیارانہ استدلال اور ساحرانہ علم و فن سے یکسو ہو کر کسی مسئلہ پر سوچیں گے تو انشاء اللہ مسئلہ کا حل آسان ہو جائے گا۔

مغرب کے اعتراضات

اسلامی عائلی احکام پر اعتراضات مغرب اپنی "خاص ذہن" اور اپنی خاص تہذیب و تمدن کی فضا میں پروردہ "عقل" کی بناء پر کرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یورپ کا اپنا ایک خاص مزاج و کلچر ہے۔ ایک خاص تہذیب و تمدن ہے جس کا قوام یونانی اور رومن ثقافتی ورثہ اور علم الاصنام اور بار بیرین اور قرونِ مظلمہ کی تہذیبوں اور بگڑی ہوئی عیسائیت سے بنا ہے۔ کیونکہ حقیقتاً بیچارہ یورپ خدائی دین عیسائیت سے کبھی بہرہ مند ہوا ہی نہیں۔ یورپ کو نام نہاد عیسائیت، "سینٹ پال" کے ذریعہ پہنچی جو اصلاً "ساول" یا رساؤس، نامی یہودی تھا جس نے عیسائیت کو بگاڑنے کے لئے، عیسائیت کا جامہ پہنا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ مقصد یہ ہے کہ یورپ کا تمدن اپنے اندر یونانی، رومن باربیرین اور مسخ شدہ عیسائیت کے اجزاء کو لئے ہوئے ہے۔ بے حیائی و عریانی ورومانی میراث ہے اور وحشت و ظلم باربیرین از منہ وسطیٰ کی نتیجہ ہیں۔ موجودہ عیسائیت میں تجرد کمال کی بات ہے۔

تجرد کی زندگی

جرمنی میں راقم الحروف سے ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوال کیا۔ ضمناً تجرد کے عیسائی

نظریہ کی فوقیت کو ثابت کرنا چاہا تو میں نے اسے کہا کہ اگر تمام دنیا عیسائی ہو جائے اور ساٹھ ستر سال تک مجرد رہے، تجرد کے قوانین و ضابطوں کی مکمل پابندی کرے اور گرجوں، "تہہ خانوں،، اور کلبوں کی زندگی کے پاس نہ جائے تو یقیناً ستر سال کے بعد نسل انسانی عیسائیت کے اسی "مسیحانہ اقدام،، و نظریہ سے ختم ہو کر رہ جائے گی۔ انسانیت کے لئے تجرد کی زندگی نہ کمال ہے نہ خوبی اور نہ حقیقتاً ممکن العمل ہے۔ اگر تاہل کے جذبات نہیں ہوں گے۔ نکاح نہیں ہوگا اور فرائض ازدواجی کی ادائیگی نہ ہوگی، تو لازماً نسلِ انسانی ختم ہو جائے گی۔ اس لئے حکمتِ الٰہی نے نسل انسانی کے بقاء کے لئے جذبات کی دنیا آباد کی۔ نکاح کو جائز قرار دیا اور مرد و عورت کے فطری قوی اور طبعی جنسی ضروریات کو دیکھتے ہوئے نکاح کے دائرہ کو مردوں کے لئے چار تک وسعت دے دی۔ تاکہ خواہشات کا ناجائز استعمال نہ ہو سکے۔ عورت فطرۃً بیک وقت ایک سے زیادہ خاوندوں کے حبالۂ عقد میں نہیں آسکتی کہ میراث و نسل وغیرہ کے قانونی اور طبعی رقابت وغیرہ کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جو خطرناک حد تک منتہی ہو سکتے ہیں۔

حدود الٰہی کی پابندی

جو اقوام عائلی معاملات میں حدود الٰہی کی پابندی نہیں کرتیں وہ انسانی فطرت و نفسیات سے کما حقہٗ واقف نہ ہونے کی بناء پر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آج کل مغرب کا حال ہے جو سراپا فسق نواز ہے، عفت نواز نہیں۔ جن لوگوں نے مغرب کی نفسیاتِ جنس کی وہ کتابیں پڑھی ہیں جن میں جنسی تجارب کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ وہ اس بات کی سو فیصدی تصدیق کریں گے کہ آج مغرب جنسی بے راہروی کے اس جہنم میں گر چکا ہے۔ جس کا تصور بھی اقوام ماقبل یا بیچارہ مشرق نہیں کر سکتا اور جس سے اس کا عفت و پاکیزگی کی طرف لوٹنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

لعل اللّٰہ یحدث من بعد ذالک امرا۔ اس دراز نفسی کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کا مجرم دل و دماغ کو اپنی فسق نوازی، بے حیائی اور فواحش پروری کی بناء پر اسلام کے پاکیزہ، عفت مآب اور حیا پرور پاکدامن معاشرہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس معاشرہ کی لغت میں "حیا،، نامی لفظ کا عملاً کوئی وجود ہی نہ ہو۔ "عفت،، کا فقدان تک تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے اور (VIRGIN MERY) کی نام نہاد لیوائیں اپنی بکارت کے شیشوں کو بلوغ سے پہلے ہی جنسی تجارب میں توڑ چکی ہوں (GESUS CRIST) کے تجرد کا کلمہ پڑھنے والے تجرد کے دائروں کو بچپن میں ہی پھاند چکے ہوں۔ وہ کیا جانیں کہ اسلام کا نظام عفت و حیاء کیا ہے۔ اور کسی کے ازدواجی بندھنوں کے بغیر کسی کے دامن عفت کو تار تار کرنا کتنا کریہہ، گھناؤنا اور وحشیانہ فعل ہے۔ غور کیجئے اگر کوئی شخص شادی اور ازدواج کے قانونی دائرہ کے اندر نہیں رہتا اور حدود اللہ کو توڑ کر کسی غیر عورت سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اور اسے حمل ٹھہر جاتا ہے تو کیا اس کا یہ فعل اخلاقاً، قانوناً، عقلاً درست ہوگا؟ یہ بات ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص کی زمین ہے۔ جس کا کوئی دوسرا شخص قانوناً مالک نہیں اور نہ کسی اخلاقی ضابطہ سے اس کا اس زمین میں کوئی حق ہے۔ اگر یہ شخص پہلے شخص کی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ بیج ڈالتا ہے۔ فصل پیدا ہو جاتی ہے تو کیا اس فصل پہ اس شخص کا جو دوسرے کی زمین کو استعمال کرتا ہے قانوناً کوئی حق ہے۔ یہ فصل اس کی نہیں ہوگی۔ اس نے تو اپنے بیج کو ہی ضائع کر دیا۔ فصل زمین والے کی ہوگی اور اسے بیج کے ضائع کرنے کی سزا دی جائے گی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا اس کا ہوگا جس کی منکوحہ کے گھر پیدا ہوگا اور زانی کو اس جرم پر سنگسار کیا جائے گا۔ (اگر وہ محصن ہو) (بخاری)

تخم انسانی کا ضیاع

مقصد یہ ہے کہ جب انسان اپنا بیج بے محل اور غیر مملوکہ اور دوسرے کی زمین میں ڈالتا ہے تو وہ اپنے بیج کو ضائع کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ بیج اگر اپنے محل اور اپنی کھیتی میں ڈالا جاتا تو اس سے اقبال یا محمد علی جوہر جیسے اعاظم رجال پیدا ہوتے لیکن اس ظالم اور وحشی نے اپنے نفسانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے جسم کو ایک آنی فانی لذت دینے کے لئے ایسے رفیع مادہ کو ضائع کیا اور اس طرح "قتلِ خفی،، کا مرتکب ہوا۔ اسی لئے علماء اور بعض مفسرین نے استمنا بالید اور دیگر اس قسم کے فواحش کو جس سے انسان کا مادہ منویہ ضائع ہوتا ہے۔ ناجائز اور الموودۃ الخفیہ قرار دیا ہے۔ یعنی اپنی اولاد کو نامعلوم اور پوشیدہ طریقہ سے ضائع کر دینا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جاہل عرب اپنی اولاد کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کر دیتے تھے اور ہم پیدائش سے نو مہینے پہلے اسے گاڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو جو انسانیت کے بیج کی امانت میں خیانت کرکے اسے ناجائز طریق سے

ضائع کر دیتے ہیں. قتل خفی کا مرتکب قرار دیا ہے اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ اگر یہ کریہہ عادت ایک دفعہ پڑ جائے. تو تادم آخر بمشکل چھوٹتی ہے. مزید برآں اس کا مرتکب معاشرہ کا ایسا ناسور ہے جو پورے معاشرہ کو متاثر کرتا ہے اور وہ جو بچہ پیدا کرتا ہے. اس پہ میراث و نسب کے قوانین کا کماحقہ اجراء نہیں ہوسکتا. اس طرح پوری سوسائٹی فسق و فجور کی ہواؤں سے مسموم ہوجاتی ہے. اسی لئے قرآن نے فواحش کے شیوع پر دردناک عذاب کی تہدید فرمائی ہے. زنا اور حرام کاری سے جو گندی اور خطرناک اور مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں. ان کے اثرات نسلاً بعد نسلٍ متعدی اور سوسائٹی میں دور دور تک پھیلتے ہیں. اگر آپ یورپ اور امریکہ کی جنسی بیماریوں کے اعداد و شمار اور ان کے گھیراؤ اور وسعت کو ان کی اپنی اور اقوام متحدہ کے محکمہ صحت کے مرتب کردہ جائزوں اور رپورٹوں میں پڑھیں تو آپ کو قرآنی تہدید کا یقین ہوجائے گا کہ مغرب کا کثیر طبقہ ان گھناؤنی بیماریوں کی وجہ سے اسی دنیا میں ایک عذاب الیم بھگت رہا ہے.

زنا کی خدائی سزا

اگر آپ خدائی سزا کو ایسے مجرم یا زانی پہ لاگو کر کے اس پخنے ناپاک وجود سے انسانیت کو نجات نہ بخشیں گے. تو یہ آگ جس کا چھپا ہوا مادہ ہر نفس میں موجود ہے. جب پھیلے گی تو ہر کدھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی. اسی لئے اسلام نے اس شخص کو جسے ابھی اپنی خواہش کے پورا کرنے کے مواقع کسی عذر صحیح کی وجہ سے حاصل نہیں، سو کوڑے کی سزا دیتا ہے تاکہ "خبیث جسم" جس نے اپنی خباثت نفس کی تسکین کے لئے معاشرہ کے عفیف جسم کو ناپاک کیا ہے. اپنی حرکت پر شرمندہ ہو کر آئندہ کے لئے اس سے بچ جائے یا اس کا نامسعود جسم انسانیت کو آئندہ کے لئے اپنی گندگیوں میں ملوث کرنے کے لئے باقی نہ رہے. لیکن اگر ایک شخص کی بیوی موجود ہے. وہ اپنی جنسی لذت یا بھوک کی تسکین ناجائز ذرائع سے کرتا ہے. وہ اپنی خواہش کو اپنے "محل" سے پورا نہیں کرتا اور اپنے جنسی ذوق کی بے محل تسکین کرتا ہے. یعنی جنسی چوربازاری کا مرتکب ہوتا ہے. تو خدا ایسے ظالم کو معاشرہ کے لئے قاتل سے بھی زیادہ خطرناک اور ظالم سمجھتا ہے. اور اسے وہ دردناک اور عبرت انگیز سزا دیتا ہے جو کسی دوسرے جرم پہ مقرر نہیں. یعنی اسے سنگسار کرنے کا حکم دیتا ہے. جو احادیث متواترہ و مشہورہ

سے ثابت ہے اور جس کا خلفائے راشدین کے زمانہ میں اجراء ہوتا رہا.

لمحۂ فکریہ

اب آپ سوچیئے کہ اگر ایک شخص اللہ تعالٰے کے نام کی بلندی کے لئے میدان جنگ میں اپنی گردن کٹواتا ہے تو شہید کہلاتا ہے اور جو قوم کے نظام اخلاق کی بقاء کے لئے اللہ تعالٰے کے حکم کی بنا پر قتل کیا جاتا ہے تو اس قتل کو کس طرح قبیح قرار دیا جاسکتا ہے اگر ایک شخص حکومت سے غداری کرتا ہے اور ملک کے سیاسی استحکام کو تاراج کرتا ہے تو ہر حکومت ایسے باغی کو واجب القتل ٹھہراتی ہے. اسی طرح جب ایک شخص خدائی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک کے اخلاقی شیرازہ کو درہم برہم کرنے کے لئے اخلاقی انارکی پھیلاتا ہے جس سے ملکی اخلاقی استحکام کی جڑیں، جن پر سیاسی بقاء کا انحصار ہے کھوکھلی کر دیتا ہے تو کیا وہ مجرم نہیں؟ اگر مملکت کا غدار واجب القتل ہے تو خدا کا باغی اور فواحش کا بانی بھی لازماً اس سزا کا مستحق ہے. تاکہ ملک کی اخلاقی اور سیاسی بنیادوں پر کلہاڑا چلانے والے وجود نامسعود سے خدا کی سرزمین کو پاک کر دیا جائے. اس سلسلہ میں اسلام نے انسانی ضمیر کو اتنا بیدار کر دیا تھا کہ مجرم اگر کبھی تقاضائے نفس سے مغلوب ہو کر اس برے فعل کا ارتکاب کر لیتا تھا تو جب تک خود کو سزا دلوا کر پاک نہ کر والیتا اسے چین نہ آتا تھا. جس کی مثال کوئی اور قوم یا ملک پیش نہیں کر سکتا.

بشکریہ: ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان

بقیہ: مقالات حکمت

اپنا، ورنہ یہ زندگی کسی بھی کام کی نہیں.

- مذہبی، قومی اور ملکی تعمیر کے لیے ایک مرکز پر متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد لازم و ملزوم ہے.

* کلمہ، حج، نماز، روزہ، زکوٰۃ مقبول الاسلام عبادات ہیں. محبت. اخلاص و استقامت سے دل کو اللہ کے ذکر سے معمور رکھنا بہترین عبادت ہے اور بہترین جذبہ ولے کو عنایت ہوتی ہے.



اسلام کا تعارف

وحید الدین خاں

اس کائنات کا ایک خدا ہے جو اس کا خالق اور مالک ہے۔ خدا نے ایک خاص اسکیم کے تحت ہم کو پیدا کیا ہے۔ جس کا علم وہ اپنے مخصوص اور منتخب بندوں کے ذریعہ ہم تک بھیجتا ہے۔ جن کو ہم رسول کہتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے کے آخری رسول ہیں اور اب تمام دنیا کو آپؐ کی پیروی کرنی ہے۔ جو شخص آپ کی دعوت کو پائے اور پھر اس کو قبول نہ کرے وہ صرف آپ ہی کا انکار نہیں کرتا بلکہ درحقیقت خدا کے تمام نبیوں کا انکار کر دیتا ہے۔ ایسا شخص خدا کا وفادار نہیں بلکہ اس کا باغی ہے اور خدا کی رحمتوں میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ ہے مختصر طور پر اسلام کا تعارف۔ جس کی مجھے اس مضمون میں تشریح کرنی ہے۔

خدا کا وجود

سب سے پہلے اس سوال کو لیجئے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ بعض لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سارا کارخانہ محض ایک اتفاقی حادثے کے طور پر وجود میں آگیا ہے۔ اور اپنے آپ چلا جا رہا ہے۔ ہکسلے کے الفاظ ہیں ———

چھ بندر ایک ایک ٹائپ رائٹر لے کر بیٹھ جائیں اور اربوں اور کھربوں سال تک الل ٹپ طریقے سے ان کو پیٹتے رہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے سیاہ کئے ہوئے کاغذات کے ڈھیر میں کسی صفحے پر شکسپیر کی ایک نظم نکل آئے۔ اسی طرح اربوں اور کھربوں سال تک مادے کے اندھے عمل کے دوران میں بالکل اتفاق سے یہ دنیا بن گئی ہے۔

یہ جواب جس نے صدیوں سے بہت سے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ دراصل کوئی جواب نہیں ہے۔ بلکہ محض چند الفاظ کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ اتفاق یا حادثہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر جو چیز خود ہی اپنا وجود نہ رکھتی ہو وہ کسی دوسری چیز کو وجود میں لانے کا سبب کس طرح بن سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کائنات کی یہ تشریح کائنات کے اوپر بالکل چسپاں نہیں ہوتی۔ یہ محض ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جو ذہنوں میں گھڑ لیا گیا ہے اور کائنات کی حقیقی ساخت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے برعکس خدا کا تصور کائنات کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ وہ خود کائنات کے اندر سے بول رہا ہے۔

کائنات اتنی پرحکمت اور اتنی منظم ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی اتفاقی حادثے کے طور پر وجود میں آگئی ہو۔ زمین پر جاندار چیزوں کی بقاء کے لئے جو حالات ضروری ہیں وہ نہایت مکمل طور پر موجود ہیں۔ کیا محض اتفاق کے نتیجے میں اتنے عمدہ حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔

زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لٹو کی مانند گھومتی ہے۔ اگر زمین کی رفتار ایک سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے دن اور رات اب کے دن اور رات سے دس گنا زیادہ لمبے ہوتے۔ زمین کی تمام ہریالی اور ہماری بہترین فصلیں سو گھنٹے کی مسلسل دھوپ میں جھلس جاتیں اور جو بچ رہتیں وہ لمبی رات میں پالے کی نذر ہو جاتیں۔

سورج جو ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے اپنی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ سے دہک رہا ہے یہ حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ مگر وہ ہماری زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ یہ "دائمی انگیٹھی" ہمیں ہماری ضرورت سے ذرہ بھر زیادہ گرمی نہ دے سکے۔ اگر سورج دگنے فاصلے پر چلا جائے تو زمین پر اتنی سردی پیدا ہو گی کہ ہم سب لوگ جم کر برف ہو جائیں گے اور اگر وہ آدھے فاصلے پر آجائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہو گی کہ تمام جان دار اور تمام پودے جل بھن کر خاک ہو جائیں گے۔

زمین کا کرہ فضا میں سیدھا کھڑا نہیں ہے بلکہ ۲۳ درجے کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف کو جھکا ہوا ہے یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھتے ہوئے بخارات سیدھے شمال یا جنوب کو چلے جاتے اور ہمارے براعظم برف سے ڈھکے رہتے۔

چاند ہم سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ صرف ایک لاکھ میل دور ہوتا تو سمندروں میں مد و جزر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ تمام کرۂ ارض دن میں دو بار پانی میں ڈوب جاتا

اور بڑے بڑے پہاڑ موجوں کے ٹکرانے سے گھس کر ختم ہو جاتے۔

یہ ہماری کائنات کے چند نہایت معمولی اور بالکل سادہ واقعات ہیں۔ ان کے سوا بے شمار ایسے واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری زمین پر ان کا اجتماع محض اتفاقی طور پر نہیں ہو سکتا اور نہ محض اتفاق انہیں باقی رکھ سکتا ہے۔ یقیناً کوئی ہے جو ان واقعات کو وجود میں لایا ہے اور ان کو اس قدر منظم طریقہ پر مسلسل باقی رکھے ہوئے ہے۔ کائنات اتنی مربوط اور منظم ہے کہ جب بھی ہم اس کے کسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں تو درحقیقت ہم اس کو محدود کر دیتے ہیں۔ کائنات کے ایک ایک جزو کے اندر اتنی حکمتیں ہیں کہ جب بھی ہم اس کی کسی حکمت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم اس کو ایک کمتر درجے کی چیز بنا کر پیش کر رہے ہیں ایسی ایک کائنات کو خدا کی مخلوق ماننا اگر کسی کو خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے تو اس سے زیادہ خلافِ عقل بات یہ ہے کہ اس کائنات کو بے خدا فرض کر لیا جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر خدا نے سب چیزیں پیدا کی ہیں تو خود خدا کو کس نے پیدا کیا ہے۔ مگر یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر حال میں پیدا ہوتا ہے خواہ ہم خدا کو مانیں یا نہ مانیں۔ ہم دو میں سے کسی ایک چیز کو بلا سبب ماننے پر مجبور ہیں۔ یا خدا کو بے سبب مانیں یا کائنات کو۔ ہمارے سامنے ایک عظیم کائنات ہے جس کو ہم دیکھتے ہیں، جس کو ہم محسوس کرتے ہیں مجبور ہے کہ اس کائنات کو تسلیم کریں۔ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے پھر ہم تو یہ کہیں کہ کائنات خود سے وجود میں آگئی ہے یا یہ کہیں کہ کوئی اور ہستی ہے جس نے اس کو بنایا ہے دونوں صورتوں میں ہم کسی نہ کسی کو بلا سبب تسلیم کریں گے پھر کیوں نہ ہم خدا کو بلا سبب مان لیں جس کو ماننے کی صورت میں ہمارے تمام سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ جب کہ کائنات کو بلا سبب ماننے کی شکل میں کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ وہ تمام سوالات جو اس مسئلے کے اردگرد پیدا ہوتے ہیں وہ سب کے سب بدستور باقی رہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے فلسفیانہ موشگافی کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کائنات کوئی چیز ہی نہیں ہے سب کچھ صرف ہمارا وہم ہے۔ مگر ایک شخص جب یہ بات کہتا ہے تو ٹھیک اسی وقت وہ کائنات کے وجود کو تسلیم کر لیتا ہے۔ آخر یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا کہ کائنات کوئی چیز ہے یا نہیں۔ سوال کا پیدا ہونا خود ظاہر کرتا ہے کہ کوئی چیز ہے جس کے بارے میں سوال درپیش ہے اور کوئی ہے جس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ اس طرح فلسفۂ تشکیک بیک وقت انسان اور کائنات دونوں کو تسلیم کر لیتا ہے۔

خدا کے ساتھ ہمارا تعلق

خدا کو ماننے کے بعد فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہے۔ یہ پچاس سال پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہے بھی تو اس سے ہمارا تعلق نہیں ہو سکتا مگر جدید کوانٹم نظریہ کے ذریعہ خود سائنس نے اس کی تردید کر دی ہے۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ کائنات ایک مشین ہے جو ایک مرتبہ حرکت دینے کے بعد مسلسل چلی جا رہی ہے۔ اس نظریئے پر سائنس دانوں کو اس قدر یقین تھا کہ انیسویں صدی کے آخر میں برلن کے پروفیسر ماکس پلانک نے جب روشنی کے متعلق بعض ایسی تشریحات پیش کیں جو کائنات کے مشین ہونے کو غلط ثابت کر رہی تھیں تو اس پر سخت تنقیدیں ہونے لگیں اور اس کا مذاق اڑایا گیا۔ مگر اس نظریئے کو زبردست کامیابی ہوئی اور بالآخر وہ ترقی کر کے جدید کوانٹم نظریہ کی صورت میں آج علم طبیعیات کے اہم اصولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ل

پلانک کا نظریہ اپنی ابتدائی شکل میں یہ تھا کہ قدرت پھلانگوں کے ذریعہ حرکت کرتی ہے۔ ۱۹۱۷ء میں آئن سٹائن نے اس بات کی وضاحت کی کہ پلانک کا نظریہ صرف عدم تسلسل ثابت نہیں کرتا بلکہ زیادہ انقلاب انگیز نتائج کا حامل ہے۔ یہ اصولِ تعلیل کو اس کے بلند مقام سے معزول کر رہا ہے جو اس سے پہلے عالم فطرت کے تمام واقعات کا رہنما سمجھا جاتا تھا۔ قدیم سائنس نے بڑے وثوق سے اعلان کیا تھا کہ قدرت صرف ایک ہی راستہ اختیار کر سکتی ہے جو سبب اور نتیجے کی مسلسل کڑیوں کے مطابق اس کے آغاز سے لے کر انجام تک معین ہو چکا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ محض ناقص مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ خدا کو اگر ماننا ہی ہے تو سببِ اول کے طور پر اسے مان لو ورنہ آج کائنات کو خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کائنات صرف حرکتِ اول کے لئے کسی محرک کی محتاج نہیں تھی بلکہ وہ ہر آن حرکت دیئے جانے کی محتاج ہے۔ کوانٹم نظریہ دوسرے لفظوں میں یہ بتاتا ہے کہ کائنات ایک خود چالو مشین ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسی مشین ہے جس کو ہر آن چلایا جا رہا ہے۔ ایک حی و قیوم ہستی کا مسلسل فیضان ہے جو اس کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر ایک لمحے کے لئے بھی وہ اپنا فیضان واپس لے لے تو ساری کائنات اس طرح ختم ہو جائے گی، جیسے سینما گھر میں بجلی کا سلسلہ ٹوٹنے سے پردۂ سیمیں کے سارے واقعات غائب ہو جاتے ہیں اور ناظرین کے سامنے ایک سفید کپڑے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

گویا اس دنیا کا ہر ذرہ اپنے وجود اور حرکت کے لئے ہر آن قادر مطلق سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنی ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔

کائنات کے ساتھ خدا کا یہ تعلق خود بتاتا ہے کہ انسان کیا تھ اس کا تعلق کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جس نے ہمیں خلق کیا ہے، جو ہمارے لئے تمام موزوں ترین حالات کو مسلسل باقی رکھے ہوئے ہے اور ان کو ہمارے حق ہموار کرتا رہتا ہے جو ہر آن ہماری پرورش کر رہا ہے اس کا ہمارے اوپر یہ لازمی حق ہے کہ ہم اپنے مقابلے میں اس کی برتر حیثیت کو تسلیم کریں اور بالکل اس کے بندے بن جائیں۔ انسان جن قدروں سے واقف ہے ان میں سب سے نمایاں اور اہم ترین قدر یہ ہے کہ احسان کرنے والے کا احسان مانا جائے۔ محسن خواہ اپنی طرف سے نہ دبائے مگر جو احسان مند ہے وہ خود اس کے سامنے دب جاتا ہے، محسن کے آگے اس کو نظر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا خدا ہونا خود ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس کی خدائی کو تسلیم کریں اور اس کی مرضی پوری کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ بندے کی طرف سے خدا کی اطاعت کے لئے اس کے سوا کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

مگر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے یہ صرف حق شناسی کا تقاضا نہیں ہے کہ ہم خدا کی خدائی اور اس کے مقابلے میں اپنی بندگی کو تسلیم کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ بھی نہیں ہے ہماری زندگی کے سارے مسائل خدا سے متعلق ہیں۔ ہم کو جو کچھ ملے گا اسی سے ملے گا اس کے سوا کوئی اور ہمیں کچھ نہیں دے سکتا۔ ہم اس کائنات میں اس قدر عاجز اور مجبور ہیں کہ خدا کی [illegible] لئے ایک لمحہ کے لئے اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتے۔ پھر خدا کو چھوڑ کر آخر ہم اور کہاں جا سکتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے یہ ہندوستان کی شمالی سرحد پر ہمالیہ پہاڑ کا ڈھائی ہزار میل لمبا سلسلہ کس نے قائم کیا ہے۔ ہم نے یا خدا نے۔ اگر ہمالیہ پہاڑ نہ ہوتا تو خلیج بنگال سے اٹھنے والی جنوب مشرقی ہوائیں جو ہر سال ہمارے لئے بارش لاتی ہے۔ بالکل پانی نہ برساتیں اور سیدھی روس کی طرف نکل جاتیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام شمالی ہندوستان منگولیا کی طرح ریگستان ہوتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ سورج اپنی غیر معمولی کشش سے ہماری زمین کو کھینچ رہا ہے، اور زمین ایک مرکز گریز قوت کے ذریعہ اس کی طرف کھنچ جانے سے اپنے آپ کو روکتی ہے اور اس طرح وہ سورج سے دور رہ کر فضا کے اندر اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھینچنا شروع ہو جائے گی، اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے گی جیسے کسی بہت بڑے الاؤ کے اندر کوئی تنکا گر جائے۔ ظاہر ہے کہ زمین کو یہ طاقت ہم نے نہیں دی ہے بلکہ اس خدا نے دی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔

کائنات کے جس حصے میں ہم رہتے ہیں اس کا نام نظام شمسی ہے۔ اگر آپ کسی دور دراز مقام پر بیٹھ کر اس نظام کا مشاہدہ کر سکیں تو آپ دیکھیں گے کہ اتھاہ خلا کے اندر ایک آگ کا گولہ بھڑک رہا ہے جو ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے جس سے اتنے بڑے بڑے شعلے نکلتے ہیں جو کئی کئی لاکھ میل تک فضا میں اڑتے چلے جاتے ہیں، اسی کا نام سورج ہے۔ پھر آپ ان سیاروں کو دیکھیں گے جو سورج کے چاروں طرف اربوں میل کے دائرے میں پروانوں کی طرح چکر لگا رہے ہیں۔ ان دوڑتی ہوئی دنیاؤں میں ہماری زمین نسبتاً ایک چھوٹی دنیا ہے جس کی گولائی تقریباً پچیس ہزار میل ہے۔ یہ ہمارا نظام شمسی ہے جو بظاہر بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، مگر کائنات کی وسعت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں کائنات میں اتنے بڑے بڑے ستارے ہیں جن کے اوپر ہمارا نظام شمسی رکھا جا سکتا ہے۔ اس بے انتہا وسیع اور عظیم کائنات میں ہماری زمین فضا میں اڑنے والے ایک ذرے سے بھی زیادہ حقیر ہے ہم ایک چھوٹے سے کیڑے کی مانند اس ذرے سے چمٹے ہوئے ہیں اور خلا میں ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سفر میں مصروف ہیں۔

یہ کائنات کے اندر ہماری حیثیت ہے، غور کیجئے انسان کس [illegible] ہے اور خارجی طاقتوں کے مقابلے میں کس قدر عاجز ہے۔ پھر جب ہماری حیثیت یہ ہے تو ہم خالق کائنات سے مدد طلب کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک چھوٹے بچے کے لئے ساری کائنات اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی اس کی ضرورتوں کی تکمیل اور اس کے مستقبل کا انحصار بالکل اس کے والدین کے اوپر ہوتا ہے۔ اس طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ انسان اپنے رب کا محتاج ہے۔ ہم خدا کی مدد اور اس کی رہنمائی کے بغیر اپنے لئے کسی چیز کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہی ہمارا سہارا ہے اور اسی کی طرف ہمیں دوڑنا چاہئے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان خدا کی رہنمائی اور اس کی مدد کا محتاج ہے۔ خدا کی طرف سے انسان کی یہی حیثیت قرار پاتی ہے اور خود انسان کے لئے بھی اس کے سوا چارہ نہیں ہے

کہ وہ خدا سے اپنے لئے مدد اور رہنمائی کی درخواست کرے۔

معرفت کا حصول

یہاں پہنچ کر جب ہم اپنے گرد و پیش کی دنیا پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے خالق کی طرف سے اپنی مخلوقات کے لئے مدد اور رہنمائی کا ایک مستقل عمل جاری ہے۔ جس کو جس چیز کی ضرورت ہے اس کو وہ چیز پہنچائی جا رہی ہے۔

ایک معمولی بھڑ کی مثال لیجئے۔

بھڑ کا طریقہ ہے کہ وہ انڈے دینے سے پہلے زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور ایک ٹڈے کو قابو میں کر کے اس کو گڑھے میں رکھ دیتی ہے۔ ایسا کرتے وقت وہ نہایت صحت کے ساتھ ٹڈے کے اس خاص عصبی مقام پر ڈنک مارتی ہے جس سے ٹڈا مرتا نہیں صرف بے ہوش رہتا ہے اور تازہ گوشت کا ذخیرہ بن جاتا ہے۔ بھڑ اب اس بے ہوش ٹڈے کے اردگرد انڈے دیتی ہے۔ تاکہ انڈوں سے نکل کر بچے اس زندہ ٹڈے کو دھیرے دھیرے کھاتے رہیں کیونکہ مردہ گوشت ان بچوں کے لئے ہلاک ہے۔ اتنا انتظام کر لینے کے بعد بھڑ وہاں سے اُڑ جاتی ہے اور پھر کبھی آکر اپنے بچوں کو نہیں دیکھتی مگر اس کے باوجود بھڑ کا یہ بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ بھی ٹھیک اسی عمل کو دہراتا ہے۔ ساری بھڑیں اس کا ہو زندگی میں ایک بار اور پہلی بار بالکل ٹھیک ٹھیک انجام دیتی ہیں، غور کیجئے کہ وہ کون ہے جو اس بھڑ کے بچے کو سکھاتا ہے کہ اپنی نسل کو جاری رکھنے کے لئے وہ بھی آئندہ وہی عمل کرے جو اس کے ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ حالانکہ اپنے ماں باپ کے عمل کو اس نے کبھی نہیں دیکھا۔

دوسری مثال اس لمبی مچھلی کی ہے جسے انگریزی میں ایل کہتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب جاندار اپنی زندگی کی جوانی میں ہر جگہ کے آبی مرکزوں اور ندیوں سے نکل نکل کر جزیرہ موڑا کے پاس سمندر کے ایک گہرے تہہ میں جاتے ہیں۔ یورپ کی ایلیں اٹلانٹک میں تین ہزار میل کا راستہ طے کر کے یہاں پہنچتی ہیں۔ وہیں یہ سب مچھلیاں بچے دے کر مر جاتی ہیں۔ یہ بچے جب آنکھ کھولتے ہیں تو اپنے آپ کو ایک سنسان آبی مرکز میں پڑا ہوا پاتے ہیں۔ ان کے پاس بظاہر معلومات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا پھر بھی وہ وہاں سے لوٹ کر دوبارہ انہیں کناروں پر آلگتے ہیں جہاں سے ان کے والدین چلے گئے تھے۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے اپنے ماں باپ والی ندیوں، جھیلوں اور آبی مرکزوں میں پہنچ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی آبی مرکز سے ایلیں ہمیشہ کے لئے غائب نہیں ہو جاتیں اور یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ امریکہ کی کوئی ایل یورپ میں نہیں ملتی اور نہ یورپ کی کوئی ایل امریکہ کے سمندروں میں پائی جاتی ہے۔ آمد و رفت کی یہ معلومات انہیں کہاں سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہ کام "وحی" کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وحی، پیغام رسانی کے اس مخفی سلسلے کو کہتے ہیں جو خدا اور اس کی مخلوقات کے درمیان جاری ہے۔ کوئی مخلوق زندگی گزارنے کے لئے کیا کرے اور خالقِ کائنات نے اپنی مجموعی سکیم کے اندر اس کے ذمے جو فرض عائد کیا ہے اس کو کس طرح انجام دے، اسی کو بتانے کا نام وحی ہے۔ اس وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق انسان کے سوا دوسری مخلوقات سے ہے اور دوسری وہ جس کا تعلق انسان سے ہے۔

انسان کے سوا جتنی مخلوقات اس زمین پر پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب ارادے سے خالی ہیں۔ ان کا کام کسی سوچے سمجھے فیصلے اور ارادے کے تحت نہیں ہوتا بلکہ ایک غیر شعوری قسم کے طبعی میلان کے تحت ہوتا ہے جس کو ہم جبلت کہتے ہیں۔ یہ گویا ایک طرح کی زندہ مشینیں ہیں جو محدود دائرے میں اپنا متعین عمل کر کے ختم ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے جانداروں کے لئے ترک و اختیار کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے ان کے پاس جو وحی آتی ہے وہ حکم اور قانون کی شکل میں نہیں آتی بلکہ جبلت یا عادتِ فطری کی شکل میں آتی ہے۔ ان کی ساخت اس طرز کی بنا دی جاتی ہے کہ وہ ایک مخصوص کام کو بار بار دہراتے رہیں۔ مگر انسان ایسی مخلوق ہے جو فیصلے کی قوت رکھتا ہے وہ اپنے ارادے سے کسی کام کو کرتا ہے اور کسی کام کو نہیں کرتا۔ وہ ایک کام شروع کرتا ہے پھر اسے بالقصد چھوڑ دیتا ہے۔ اور ایک کام نہیں کرتا اور بعد کو اسے کرنے لگتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ انسان بھی اگرچہ اسی طرح خدا کا بندہ ہے جس طرح اس کی دوسری مخلوقات، مگر اس کو حالتِ امتحان میں لیا گیا ہے جو کام دوسری مخلوقات سے عادتِ فطری کے تحت لیا جا رہا ہے انسان کو وہی کام اپنے فیصلے اور ارادے سے کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے پاس وحی آتی ہے وہ حکم اور قانون کی شکل میں آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں عام حیوانات پر وحی ان کی فطرت میں پیوست کر دی گئی ہے اور انسان کی وحی خارج سے اسے لی جاتی ہے۔ عام حیوانات کو کیا کرنا ہے اس کا علم وہ پیدائشی طور پر اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اس کے برعکس انسان جب عقل و ہوش کی عمر کو پہنچتا ہے تو خدا کی طرف سے پکار کر اسے بتایا جاتا ہے کہ تم کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] اسی حیرت انگیز عمل کو دیکھ کر فلسفی برگساں نے کہا تھا "کیا بھڑ نے کسی مدرسے میں ماہر عضویات کی تعلیم حاصل کی ہے؟"

اس پیغام رسانی کا ذریعہ رسالت ہے۔ جو شخص یہ پیغام لے کر آتا ہے اس کو ہم رسول کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایک نیک بندے کو چن لیتا ہے اور اس کے قلب پر اپنا پیغام اتارتا ہے۔ اس طرح وہ شخص براہ راست خدا سے اس کی مرضی کا علم حاصل کر کے دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ رسول گویا وہ درمیانی کڑی ہے جو بندے کو اس کے خدا سے جوڑتی ہے۔

وحی کا مسئلہ

اب ہمیں اس سوال پر غور کرنا ہے کہ کسی بندۂ خاص پر خدا کی وحی کس طرح آتی ہے اور یہ کہ موجودہ زمانے میں وہ کون سی "وحی" ہے جس سے ہمیں خدا کی مرضی کا علم حاصل ہوگا۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے ایک مثال لیجئے۔ انسان نے جو مشینیں اور جو آلات بنائے ہیں وہ تقریباً سب کے سب لوہے کے ہیں اگر لوہے کی تاریخ سامنے رکھی جائے تو یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوگی کہ انسان نے کس طرح اس کو دریافت کیا جب کہ انسان کو لوہے کے متعلق پہلے سے کوئی علم نہیں تھا۔ اس نے کس طرح اس کے ذرات کو یکجا کیا جو مختلف مرکبات کی شکل میں زمین کی مختلف چٹانوں کے ساتھ مخلوط ہو کر منتشر پڑے تھے اور پھر انہیں خالص لوہے کی ٹھوس شکل میں تبدیل کیا۔

یہی حال دوسری ایجادات کا بھی ہے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ ان ایجادات کی طرح انسانی ذہن کی رسائی کس طرح ہوئی۔ وہ کون سی قوت ہے جو تجربہ اور مشاہدہ کے دوران میں ایک سائنس داں کو اس مخصوص نکتے تک پہنچا دیتی ہے۔ جہاں پہنچ کر اسے مفید اور کار آمد نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ جو بات کو معلوم نہیں تھی وہ کیسے معلوم ہو گئی اس علم کا ذریعہ وہی خدائی فیضان ہے جس کو ہم وحی کہتے ہیں۔ سب کچھ جاننے والا اپنے علم میں سے تھوڑا سا حصہ اس کو عطا کر دیتا ہے جو کچھ نہیں جانتا۔ یہ فیضان وحی کا ابتدائی درجہ ہے جو غیر شعوری طور پر آتا ہے اور ہر شخص کو اس میں سے حصہ ملتا ہے۔ وحی کی دوسری قسم زیادہ ترقی یافتہ ہے جو شعوری طور پر آتی ہے اور صرف ان لوگوں کے پاس آتی ہے جن کو رسالت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہو۔ انسان کے پاس حقیقت کا علم اور دنیا میں زندگی گزارنے کا طریقہ اسی دوسری قسم کی وحی کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

وحی کی حقیقت کو ہم بس اسی قدر سمجھ سکتے ہیں اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا دراصل ایک ایسا مطالبہ کرنا ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے۔ ایک ارشٹ ہوتے جہاز کا زمین سے لاسلکی پیغام بھیجا جاتا ہے جس کو ہوائی جہاز پر بیٹھا ہوا آدمی پورے یقین کے ساتھ صاف الفاظ میں سن لیتا ہے یہ ہماری قریبی زندگی کا ایک واقعہ ہے، مگر آج تک اس کی مکمل توجیہ نہیں ہو سکی کہ یہ واقعہ کس طرح وجود میں آتا ہے۔

یہی حال ان تمام واقعات کا ہے جن سے ہم اس زمین پر واقف ہیں۔ ہم تمام حقیقتوں کو صرف مجمل طور پر جانتے ہیں۔ جیسے ہم کسی حقیقت کو آخری حد تک سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری قوتیں جواب دینے لگتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی کلی واقفیت ہمارے بس سے باہر ہے۔ ایسی صورت میں وحی کی حقیقت کو مکمل طور پر سمجھنے کا مطالبہ کرنا ایسے ہی آدمی کا کام ہو سکتا ہے جو خود اپنی حقیقت سے بے خبر ہو۔

سائنس نے اب یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حقیقت مطلق کا علم حاصل کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اس سلسلے میں پروفیسر ہائزن برگ کی دریافت کا حوالہ دوں گا جس کو وہ اصول عدم تعین کا نام دیتا ہے۔ جیمز جینز اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"قدیم سائنس کا خیال تھا کہ کسی ذرے مثلاً ایک الکٹران کا مقام مکمل طور پر بتایا جا سکتا ہے جب کہ ہم یہ جان لیں کہ کسی خاص وقت میں فضا کے اندر اس کا مقام اور اس کی رفتار کیا ہے اگر ان معلومات کے ساتھ بیرونی اثر انداز طاقتوں کا بھی علم ہو جائے تو الکٹران کے تمام مستقبل کو متعین کیا جا سکتا تھا۔ اور اگر کائنات کے تمام ذروں کے متعلق ان تمام باتوں کا علم ہو جاتا تو ساری کائنات کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔

مگر ہائزن برگ کی تشریح کے مطابق جدید سائنس اب اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان مقدمات کی دریافت میں قوانین قدرت حائل ہیں اگر ہم یہ جان لیں کہ ایک الیکٹران فضا میں کسی خاص مقام پر ہے جب بھی ہم ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتے کہ وہ کس رفتار سے حرکت کر رہا ہے قدرت کس حد تک گنجائش سہو کی اجازت دیتی ہے، لیکن اگر ہم اس گنجائش میں گھسنا چاہیں تو قدرت ہماری کوئی مدد نہیں کرتی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت بالکل صحیح پیمائشوں سے قطعاً ناآشنا ہے اسی طرح اگر ہمیں کسی الیکٹران کی حرکت کی رفتار ٹھیک ٹھیک معلوم ہو تو قدرت ہمیں فضا کے اندر اس کا صحیح مقام دریافت کرنے نہیں دیتی، گویا کہ الیکٹران کا مقام اور اس کی حرکت کسی لالٹین کی سلائیڈ

دو مختلف صفات پر مشتمل ہیں۔ اگر ہم سلائڈ کو کسی خراب لالٹین میں رکھیں تو ہم دو رخوں کے درمیان نصف لو روشنی میں لا سکتے ہیں اور الیکٹران کے مقام اور اس کی حرکت دونوں کو کچھ نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ اچھی لالٹین کے ذریعہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو ایک پہلو جتنا زیادہ روشن ہوگا اس سے دوسرا اتنا ہی دھندلا ہوتا چلا جائے گا۔ خراب لالٹین قدیم سائنس ہے جس نے ہمیں اس فریب میں مبتلا کر دیا کہ اگر ہمارے پاس بالکل مکمل لالٹین ہو تو ہم کسی خاص وقت پر ذرے کے مقام اور اس کی رفتار کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکتے ہیں۔ یہی دعویٰ تھا جس نے سائنس میں جبریت کو داخل کر دیا۔ مگر اب جب کہ جدید سائنس کے پاس زیادہ بہتر لالٹین ہے اس نے ہم کو صرف یہ بتایا ہے کہ حالت و حرکت کی تعین حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں جنہیں ہم بیک وقت روشنی میں نہیں لا سکتے۔ لہ

اس سلسلہ میں آخری سوال یہ ہے کہ خدا کی وحی جو مختلف زمانوں میں انسانوں کے پاس آتی رہی ہے ان میں سے کونسی وحی جس کا آج کے انسانوں کو اتباع کرنا ہے۔ اس کا جواب بالکل سادہ ہے۔ بعد کے لوگوں کے لئے وہی وحی قابل اتباع ہو سکتی ہے جو سب کے بعد آئی ہو۔ حکومت ایک ملک میں کسی شخص کو اپنا سفیر بنا کر بھیجتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کی سفارت اسی وقت تک کے لئے جب تک وہ اپنے اس عہدے پر باقی ہو۔ جب اس کی مدت کارکردگی ختم ہو جائے اور دوسرے شخص کو اس عہدے پر مامور کر دیا جائے تو اس کے بعد وہی شخص حکومت کا نمائندہ ہوگا جس کو سب سے آخر میں نمائندگی کا موقع دیا گیا ہے۔

اس اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ آخری رسول ہیں جو آج اور آئندہ قیامت تک کے لئے انسانیت کے رہنما ہیں۔ جو ساتویں صدی عیسوی میں عرب سے اٹھے تھے جن کے بعد نہ کوئی نبی آیا اور نہ کوئی آئندہ نبی ہوگا۔ آپ کا تمام نبیوں کے بعد تشریف لانا اس بات کی کافی وجہ ہے کہ آپ کو اور صرف آپ کو حال اور مستقبل کے لئے خدا کا نمائندہ قرار دیا جائے کیونکہ بعد کو آنے والا اپنے سے پہلے آنے والوں کو منسوخ کر سکتا ہے مگر پہلے آنے والا اپنے بعد آنے والوں کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ انسانی تاریخ کی سب سے پرانی اور ابتدائی مذہبی کتاب رگ وید ہو جو خدا کی ہدایت کے تحت مرتب کی گئی ہو جیسا کہ انجیل لیتھا اور دیباچے [illegible] اب یہ تمام کتابیں [illegible] سے مضامین کی صحت مشکوک ہے اور اس سے قطع نظر ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنے کو آخری اور دائمی کتاب کی حیثیت سے پیش نہیں کرتی صرف یہ واقعہ کہ وہ خدا کے آخری ہدایت نامے سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان کو آج کے لئے منسوخ قرار دے دیتا ہے۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول ہی کیوں تسلیم کریں۔ میرا جواب یہ ہے کہ جن وجوہ سے آپ دوسرے رسولوں کو رسول مانتے ہیں انہیں وجوہ سے آخری رسول کو بھی رسول ماننا پڑے گا۔ آپ کسی دوسرے رسول کے بارے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خدا کی طرف سے آئے تھے، جو بھی اصول بنائیں گے اور جو مقدمات بھی قائم کریں گے ٹھیک انہیں دلائل اور انہیں مقدمات کی بنا پر آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا رسول ماننا ہوگا۔ اگر آپ آخری رسول کا انکار کرتے ہیں تو آپ کو سارے رسولوں کا انکار کر دینا پڑے گا اور اگر دوسرے رسولوں کو مانتے ہیں تو آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آخری رسول کو بھی تسلیم کریں اور جوں ہی آپ آخری رسول کو تسلیم کرتے ہیں آپ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسی کو آخری سند قرار دیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننا اور آپ کو آخری سند تسلیم نہ کرنا دونوں بالکل متضاد چیزیں ہیں جو ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ خدا کے آخری حکم کی موجودگی میں اس کے سابق حکموں کا حوالہ دینا خدا کی اطاعت کا ایک ایسا طریقہ ہے جس سے خدا کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔ یہ خود اپنے نفس کی اطاعت ہے نہ کہ خدا کی اطاعت۔

اسلام کا مختصر تعارف

اب میں مختصر طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ پیغام کیا ہے جس کو آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اور ہماری آئندہ نسلوں کو دیا ہے۔ اس پیغام کو چار عنوانات کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔

(۱) خدا کا صحیح تصور
(۲) انسان کی پیدائش کا مقصد اور کائنات کے ساتھ اس کا تعلق
(۳) انسان خدا سے تعلق جوڑنے کے لئے کیا کرے۔
(۴) انفرادی اخلاق اور اجتماعی قانون کیا ہو۔

سب سے پہلی چیز جو رسول نے ہم کو بتائی وہ یہ کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ یہ خدا ایک ہے کوئی کسی حیثیت سے

بھی اس کا شریک نہیں۔ وہ سب کچھ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہی ہے جو
سارے واقعات کو وجود میں لا رہا ہے۔ اس حقیقت کا کسی قدر تفصیل
اوپر آ چکی ہے۔ یہاں میں قرآن کی ایک آیت نقل کروں گا جو اسلامی نقطہ نظر
سے خدا کے تصور کو مجمل مگر نہایت مکمل طریقے سے پیش کرتی ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا
تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا
نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ
عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا
یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ
عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ
وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـــُٔـوْدُهٗ
حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ
الْعَظِیْمُ ●

"اللہ، وہ زندہ خدا جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کو نہ اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر بولنے کی جرأت کر سکے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ بندوں کے آگے ہے اور جو کچھ بندوں کے پیچھے ہے۔ اس کے علم میں جو کچھ ہے اس میں سے کچھ بھی کوئی حاصل نہیں کر سکتا الّا یہ کہ وہ خود ہی کسی کو کچھ دیدے۔ اس کی حکومت سارے عالم پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگرانی اس کے لئے تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔" (بقرہ ۲۵۵)

دوسری چیز جو خدا کے رسول نے ہم کو بتائی وہ انسان کی پیدائش کا مقصد اور کائنات کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اس نے بتایا کہ انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اسے آزمایا جائے۔ انسان کو عمل کی آزادی دے کر اس کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی بھیج دی ہے۔ اب وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اپنے مالک کی مرضی کے مطابق چلتا ہے اور کون اس کے خلاف عمل کرتا ہے۔ کائنات کے ساتھ انسان کا جو تعلق ہے وہ بھی اسی مقصد کے تحت ہے۔ یہ کائنات کسی شخص یا قوم کی جائداد نہیں ہے، نہ وہ کوئی اُلل ٹپ جگہ ہے۔ بلکہ وہ اس لئے ہے تاکہ انسان کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں مدد دے۔ یہ دنیا دراصل ہمارا وہ میدانِ عمل ہے جہاں رہ کر ہمیں اپنا امتحان دینا ہے۔ اس کے سوا دنیا کی کوئی اور حیثیت نہیں۔

ہمارے اس امتحان کی ایک مدت ہے۔ ایک شخص کی مدت اس کی عمر تک ہے اور ساری انسانیت کی مدت اس وقت تک ہے جب تک انسانی پیدائش کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کے بعد کائنات کا مالک سب کو جمع کرے گا اور ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو انعام یا سزا دے گا۔

اسی انعام اور سزا پانے کی جگہ جنت [illegible]

اسی تصور کا نام آخرت [illegible]

ہے اور آخرت ہماری زندگی [illegible]

مستقبل کے بارے میں ہم کو آگاہ کیا ہے۔ یہ مستقبل کی دنیا ہماری نگاہوں سے اوجھل رکھی گئی ہے کیونکہ ہمارے حالتِ امتحان میں ہونے کی حیثیت اسی کا تقاضا کرتی تھی۔ مگر جب امتحان کی مدت پوری ہوجائے گی تو یہ چھپی ہوئی دنیا بالکل اسی طرح ہمارے سامنے آجائے گی جس طرح موجودہ کائنات ہم کو صاف نظر آرہی ہے۔ اس دنیا میں بظاہر ہم کو صرف ایک ہی زندگی نظر آتی ہے مگر کسی چیز کی حقیقت اتنی ہی نہیں ہوتی جتنی وہ دکھائی دے رہی ہو۔ سورج کی روشنی بظاہر دیکھنے میں ایک ہلکی چمک دار سی چیز ہے مگر حقیقت میں وہ سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہماری موجودہ زندگی کے اندر ایک اور زندگی چھپی ہوئی ہے، جس کو ہم مرنے کے بعد دیکھیں گے جہاں ہم مرنے کے بعد پہنچا دیئے جائیں گے۔

یہ آخرت محض ایک مابعد الطبیعی نظریہ نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی سے اس کو گہرا تعلق ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کے خوف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی چیز نہیں ہوتی جو اس کو دوسروں کو لوٹنے سے روک سکے۔ جن لوگوں نے صرف قانون اور سیاست کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی ہے ان کی کوششوں نے صرف لوٹ کھسوٹ کی شکلوں کو بدلا ہے۔ اصل صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ حقیقی اصلاح صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان کے اندر غلط روی سے بچنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس جذبے کو پیدا کرنے والی چیز صرف خدا کی بازپرس کا خوف ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ انصاف پسند اور دیانتدار انسان بنانے کے لئے آخرت کا سہارا لیں۔ اس کے سوا کسی اور ذریعہ سے ہم اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آخرت کا تصور ایک فرضی تصور ہے۔ اگرچہ جن "دلائل" کی بنا پر آخرت کو فرضی قرار دیا جاتا ہے اگر ان کو صحیح مان لیا جائے تو ساری کائنات فرضی قرار پاتی ہے۔ حتیٰ کہ خود ہمارا اپنا وجود بھی فرضی ہو جاتا ہے۔ لیکن میں اس سے بحث نہیں کروں گا۔ اس کے جواب میں یہاں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آخرت اگر فرضی چیز ہے تو وہ ہمارے لئے اس قدر ضروری کیوں ہے۔ کیوں ایسا ہے کہ اس کے بغیر ہم صحیح معنوں میں کوئی سماجی نظام بنا ہی نہیں سکتے۔ انسانی ذہن سے اس تصور کو نکال لینے کے بعد کیوں ہماری ساری زندگی

فون نمبر ٦٦٥٤٥

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ٦٠٧٤

اجر ہو جاتی ہے. کیا کوئی فرضی چیز زندگی کے لئے اس قدر ناگزیر ہو سکتی ہے. کیا اس کائنات میں ایسی کوئی مثال پائی جاتی ہے کہ ایک چیز حقیقت میں موجود نہ ہو مگر اس کے باوجود وہ اس قدر حقیقی بن جائے. زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو مگر اس کے باوجود وہ زندگی سے اتنی متعلق نظر آئے. زندگی کی صحیح اور منصفانہ تنظیم کے لئے آخرت کے تصور کا اس قدر ضروری ہونا خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ آخرت اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے. وہ اگرچہ ہماری آنکھوں سے ہم کو نظر نہیں آتی مگر اس کے باوجود وہ نظر آنے والی تمام چیزوں سے زیادہ واضح اور یقینی ہے کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ بقید ہوش و حواس اس کا انکار کر سکے.

تیسری چیز جو خدا کے رسول نے بتائی وہ اس سوال کا جواب ہے کہ انسان خدا کے ساتھ تعلق جوڑنے کے لئے کیا کرے. اس سلسلے میں جو کچھ آپ نے بتایا ہے اس کو تین عنوانات کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے ـــ

ذکر، عبادت اور قربانی.

ذکر سے مراد یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو ہر آن ذہن میں تازہ رکھا جائے اور خدا کو اس کی تمام حیثیتوں کے ساتھ اس طرح یاد کیا جاتا رہے جس طرح رسولؐ نے یاد کرنے کے لئے بتایا ہے. عبادت سے مراد وہ مخصوص بدنی افعال ہے جو شریعت میں اس لئے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ انسان کی مادی حیثیت پر اس کی روحانی حیثیت کو غالب کیا جائے اور اس سے ایسے اعمال کرائے جائیں جو نفسیاتی طور پر اس کو خدا سے قریب کرنے والے ہوں. قربانی اپنے جذبات اور اپنے اثاثے کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا نام ہے. انسان جب اپنی محبوب چیزوں کو خدا کے نام پر قربان کرتا ہے تو گویا وہ اپنے احساسات کو خدا کے تابع کرتا ہے اور اپنی دلچسپیوں کو آخری حد تک خدا کی طرف موڑنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح یہ قربانی آدمی کو اس کے رب سے بالکل قریب کر دیتی ہے.

یہ ذکر عبادت اور قربانی ایک دوسرے سے الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں. یہ انسان کی طرف سے اپنے رب کے لئے انتہائی تعلق کا اظہار ہے. بندہ جب اپنے محبوب آقا کو اپنے دل اور اپنی زبان سے یاد کرتا ہے تو اس کو ہم ذکر کہتے ہیں، جب وہ جذبات سے بے خود ہو کر اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دیتا ہے تو اس کا نام عبادت ہے اور جب وہ اپنی ساری متاع حیات کو خدا کے لئے لٹا دیتا ہے تو یہی قربانی ہے. رسول ان چیزوں کا طریقہ بتایا ہے اور اس کے لئے آدمی کو تیار کرتا ہے.

چوتھی چیز انسان کا انفرادی اخلاق اور اس کا اجتماعی قانون ہے. اس سلسلے میں نہایت تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں. ایک فرض شناس اور حق پسند زندگی کے لئے جن صحیح ترین اصولوں کی ضرورت ہے وہ سب نہایت وضاحت سے بتا دیئے گئے ہیں. لیکن صرف انفرادی وعظ سے کسی سماج کے اندر عمومی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ یہی ممکن ہے کہ اصلاح یافتہ اشخاص دیر تک اپنے رویے پر باقی رہ سکیں. اس لئے ایک ہمہ گیر نوعیت کا سماجی قانون بھی ہمارے حوالے کیا گیا ہے. تاکہ اس کی بنیاد پر ایک اسٹیٹ بنایا جائے اور سماجی پیمانے پر خدا کی مرضی قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے. دوسرے لفظوں میں اسلام صرف ایک شخص یا چند اشخاص کو خدا پرست دیکھنے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ پوری نوع انسانی میں ایک ایسا انقلاب لانا چاہتا ہے جس سے شخصی اور اجتماعی زندگی کے تمام تضادات ختم ہو جائیں اور سارے مل کر خدا کی فرمانبرداری کرنے لگیں.

یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو تمام مذاہب میں صرف اسلام کو حاصل ہے جہاں تک خدا اور اس سے متعلق دوسرے مابعد الطبیعی تصورات کا معاملہ ہے. وہ دوسرے مذاہب میں بھی کسی حد تک موجود ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا کسی مذہب کے پاس ایسا کوئی سماجی ڈھانچہ اور قانونی نظام ہے جس کی بنیاد پر سٹیٹ کی تعمیر کی جا سکے تو اس کے جواب میں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کا نام نہیں لیا جا سکتا. اسلام کے پاس وہ بنیادی قوانین بھی صحیح شکل میں محفوظ ہیں جو خدا نے انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے تھے اور ان قوانین کی بنیاد پر جو سماجی نظام بنایا گیا تھا اس کا ریکارڈ بھی پوری طرح تاریخ میں موجود ہے. یہ خدا کی ایک ایسی نعمت ہے جس کو اگر اختیار کیا جائے تو وہ تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں جو آج انسانیت کو گھیرے ہوئے ہیں.

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پرنٹر پریس میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔